اللہ

نور السمٰوٰت والارض

ماہنامہ

انوار العلوم

لاہور

فروری ۱۹۵۸ء مطابق شعبان ۱۳۷۷ھ

جلد ۶

نمبر ۱۱

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

مدیر: مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

اللہ نور السمٰوٰت والارض

ماہنامہ انوار العلوم

لاہور

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

مدیر:- مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

urduvilla.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ اشرفیہ لاہور کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

ماہنامہ تحفہ اہل فہم منیر
آئینہ دار و ناصر انوار العلوم

سالکان راہ رحمان را نجوم
رہروان راہ شیطان را رجوم

انوار العلوم

لاہور - پاکستان

قیمت فی پرچہ نو آنے — سالانہ چھ روپے

جلد ۶ | فروری ۱۹۵۸ء مطابق شعبان ۱۳۷۷ھ | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۳
خیر المال (وعظ) قسط ۲	حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی	۹
حسن العزیز (ملفوظات)	" " " " "	۳۰
کلید مثنوی	" " " " "	۴۰
احکام و مسائل	" " " " "	۴۷
حسابات مدرسہ	" " " " "	۵۲

دوسری قسط

خَیْرُ الْمَالِ الرِّجَالُ

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

مؤثر بالذات ہیں۔ پس اسی پر یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ (اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے) مرتب ہے مطلب یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں تو کچھ ہے اور ظاہر کچھ کر رہے ہیں۔ آگے اُسکو بیان فرماتے ہیں یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں) کہ اُن کے دلوں میں یہ ہے کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم مارے نہ جاتے آگے اس کا رد ہے قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ الخ (کہہ دیجئے اگر تم گھروں میں بھی ہوتے الخ) مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارا خیال باطل ہے تم کہیں بھی ہوتے جنکے لئے قتل لکھا گیا تھا وہ یہیں آکر قتل ہوتے جا نہیں سکتے تھے۔ غرض اس آیت سے اُن کی نامید ہوگئی کہ سچی بات سے جھوٹی بات مراد لینا کس قدر بُرا ہے یہی حال ہے اُس شخص کا جو اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی جس سے محبت کرتا ہے اُس کے ساتھ ہوتا ہے) سے غرض باطل یعنی عدم ضرورت عمل پر تمسک کرتا ہے اور اس حدیث کی طرح ہم نے اور چند حدیثیں بھی یاد کر رکھی ہیں جیسے مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہوگیا) اس سے اپنے نفس کے موافق یہ مراد لے لی کہ بس یہی کافی ہے نہ کسی عمل کی ضرورت ہے نہ کسی گناہ سے بچنے کی حاجت۔ جو جی چاہے کرتے پھرو بس لا الٰہ

الا اللہ کہہ لو سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے یہ بھی وہی کلمۃ الحق اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِل (یہ کلمہ تو حق ہے مگر اس سے مراد باطل لی گئی ہے) اگر کوئی کہے کہ ہم نے جو اس حدیث میں کہا ہے خود اسی حدیث ہی میں آگے مصرح ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاِنْ زَنیٰ وَاِنْ سَرَقَ یعنی اگرچہ وہ زنا کرے چوری کرے تب بھی جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے تو صاف معلوم ہے کہ بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لینے کے کچھ بھی کرتا پھرے مضر نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعمال مامور بہا (جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے) کے بجالانے اور معاصی سے بچنے کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ زنا و سرقہ سے ایمان نہیں جاتا۔ اس ایمان کی برکت سے کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جاوے گا۔ گو بعد سزا ہی تو اعمال کی عدم ضرورت اس سے کیسے ثابت ہوئی جیسے جہلاء کا زعم ہے کہ جو جی چاہے کرتا پھرے کچھ بھی حرج نہیں۔ اور موٹی بات ہے کہ اگر صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کافی ہوتا اور کسی عمل کے کرنے یا گناہوں کے چھوڑنے کی ضرورت نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اعمال کی تاکید فرماتے اور گناہوں پر وعیدیں کیوں ارشاد فرماتے۔ یہ تو بہت آسان بات بھی اسی کی تعلیم فرما دیتے۔ نیز جب آپ ہی سے اعمال ساقط نہ ہوئے تو اور کس سے ساقط ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے آخر صحابہؓ میں کوئی بھی سمجھدار تھے یا نعوذ باللہ سارے ناواقف ہی تھے۔ کیا صحابہؓ نماز نہیں پڑھتے تھے اور اعمال نہیں کرتے تھے۔ کیا صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پر بس کرتے تھے۔ آنکے واقعات دیکھ لیجئے دین پر ان کو کیسی توجہ تھی مستحب تک کو چھوڑنا بہت برا خیال کرتے تھے معلوم ہوا کہ یہ صرف تمہارا مذاق ہے۔ ان دلائل کا یہ مفہوم نہیں۔ صرف نفس کو اعمال کی مشقت سے بچانے کے لئے تم نے حیلے تراش لئے ہیں۔ کیا یہ آیت لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (اسکی مثل عمل کرنے والوں کو چاہیئے کہ عمل کریں) اور حدیث مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (جس نے نماز کو قصداً چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا) یہ وغیرہ نصوص نہیں ہیں۔ کیا آپ کو صرف ایک ہی نص ملی۔ مجھے تو شرم آتی ہے ایسی ظاہر بات کی تفصیل کرتے ہوئے۔ غرض یہ آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ الخ (ایسے بندے ہیں جنکو تجارت نہیں غافل کرتی الخ) جس کی اس وقت تفصیل کی گئی ہے ان ہی اعمال کو بتلا رہی ہے جن کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے۔

اب وہ صفات سنئے کیا ہیں - بعضے ایک اور جہالت میں گرفتار ہیں کہتے کہ ہم تو ذات کے عاشق ہیں - ہمیں جنت و دوزخ سے کچھ سروکار نہیں - اس لئے ہمیں عمل کی کیا ضرورت ہے - عمل تو وہ کرے جو جنت کو لینا چاہے - ہمیں اس سے مطلب ہی نہیں ہم تو ذات کے عاشق ہیں - خوب سمجھ لیجئے کہ ذات کے عاشق کو زیادہ عمل کرنا چاہئے - جنت تو تھوڑے عمل میں مل جاتی ہے - ذات کی طلب میں تو بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے - اس لئے حق تعالےٰ کے قرب کیلئے اور زیادہ عمل کی ضرورت ہے - اب ان اعمال کو سنئے ارشاد فرماتے ہیں لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الخ (ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) اپنے اچھے بندوں کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو غافل نہیں کرتی تجارت اور بیع ذکر اللہ سے - اس صفت کا حاصل ایک غلطی کا رفع ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے لوگوں میں عمل کی ہمت نہیں رہی - آجکل کے غیر محقق واعظین نے کھو رکھا ہے - ایسی ایسی حکایات لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی ہمت باقی نہیں رہتی - اور وہ غلطی یہ ہوئی ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے جاتا رہتا ہے اس لئے وہ دین کا کام نہیں کرتے تو خوب سمجھ لیجئے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے نہیں جاتا بلکہ جس وقت آدمی کو دین کا شوق ہوتا ہے تو ضروری دنیا تو اور زیادہ آسانی سے ملتی ہے البتہ فضول دنیا خود رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہے - جیسے چراغ کے جلنے سے تاریکی جاتی رہتی ہے - جب چراغ آیا تو اندھیرا کہاں - باقی ضروری دنیا میں تو اور زیادہ برکت نصیب ہوتی ہے تو ضروری اور مفید دنیا دین کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے - پس بہت لوگ جو کہتے ہیں کہ دنیا کے تعلقات جب سب ختم ہو جائیں تب دین اختیار کریں یہ خیال محض غلط ہے البتہ دین میں یہ ضروری ہے کہ کمال پر غیر اللہ یعنی جو دنیا مضر ہے وہ خود رخصت ہو جاتی ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھو کہ دین پر چلنے سے بیٹا مر جاویگا بیوی مر جاویگی مال و دولت جاتا رہے گا - سو دنیا کی دولت رخصت نہیں ہوتی البتہ ان چیزوں کے مضر تعلقات رخصت ہو جاتے ہیں یعنی بیٹے کے ساتھ جو تعلق اب ہے محبت کا جو حاجب عن اللہ ہے - وہ نہیں رہتا جو تعلق بیٹے کے ساتھ اب ہے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو جائیگا

سب چیزیں فنا ہوتی ہیں۔ مگر فنا کے وہ معنی نہیں جو عوام کے نزدیک ہیں کہ آدمی کو کسی چیز کی بھی خبر نہ رہے نہ کھانے کی نہ پینے کی نہ اپنے تن کی۔ سو یہ معنی نہیں فن کی کتابیں دیکھئے تو معلوم ہو۔ پڑھے لکھے لوگ بھی کتابیں پڑھتے ہیں مگر تدبر نہیں کرتے۔ فنا کا حاصل ہے فضول تعلقات کا جاتا رہنا۔ یعنی دنیا کی چیزوں سے جو تعلق اب ہے وہ نہیں رہتا بلکہ وہ تعلق خدا کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ یہ چیزیں کسی درجہ میں محبوب بھی نہ رہیں ان سے بالکل ہی بے تعلقی ہو جائے ان سے کوئی واسطہ ہی نہ رہے یہ نہیں ہوتا بلکہ اُن کی محبت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں کہ ان چیزوں کے ساتھ بھی محبت کا تعلق ہو مگر غالب تعلق اللہ کے ساتھ ہو۔ چنانچہ حق تعالیٰ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ کہہ دیجئے کہ اگر باپ تمہارے اور بھائی تمہارے اور بیٹے تمہارے اور بیبیاں تمہاری اور قبیلہ اور کنبہ تمہارا اور مال جو کمائے ہیں تم نے اور سوداگری جس کے مندا ہونے سے ڈرتے ہو اور گھر جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تم کو زیادہ پیاری ہوں اللہ سے اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے پس انتظار کرو یہاں تک کہ لاوے اللہ اپنا حکم اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ صورت تو بری ہے کہ یہ چیزیں احب ہوں یعنی زیادہ محبوب ہوں اللہ سے۔ معلوم ہوا کہ اگر کم محبوب ہوں تو مضائقہ نہیں۔ آیت میں زیادہ محبوب ہونے کی مذمت کی گئی ہے یعنی چیزیں زیادہ محبوب نہ ہونی چاہئیں۔ باقی اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس میں تو مساوات کی نفی نہیں کی گئی کہ یہ چیزیں محبت میں مساوی بھی نہ ہوں تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ مساوات میں مضائقہ نہیں حالانکہ یہ بھی خلاف ہے مساوات بھی نہ ہونا چاہئے وہ بھی ایسی ہی بری ہے جیسے زیادہ احب ہونا برا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال ہی نہیں اس لئے مساوات سے بحث ہی نہیں کی کیونکہ برابری ہو ہی نہیں سکتی یہ مشاہدہ ہے اور جو چیز

واقع نہیں ہوتی اُس سے بحث نہیں ہوتی وہ تو خود ہی خارج ہے پس بہت لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ محبت ہوگی تو یہ چیزیں چھوٹ جائیں گی سو یہ بات نہیں یہ چیزیں چھوٹیں گی نہیں البتہ خدا کے ساتھ محبت ہونے سے ان چیزوں کی محبت کم ہو جاتی ہے جو خود مفید ہے۔ کیونکہ محبت کم ہونے سے پریشانی کم ہو جاوے گی۔ کیونکہ پریشانی کی حقیقت ہے کسی متوقع چیز کا چھوٹ جانا اور جب محبت کم ہوگی اسکی طرف التفات بھی نہ ہوگا تو اُسکی تمنا اور توقع بھی نہ ہوگی۔ جب توقع ہی نہ ہوگی تو پریشانی کیسی۔ بلکہ وہ چیز ہو تب اور نہ ہو تب دونوں حالتیں برابر ہونگی جیسے کسی کو اولاد کی تمنا ہو تو اسکو نہ ہونے سے پریشانی ہوگی اور جو تمنا ہی نہ ہو تو کیا پریشانی ہوگی۔ اہل اللہ کو کسی چیز کے جاتے رہنے سے اسی لیے پریشانی نہیں ہوتی کہ اُن کو کسی چیز کی تمنا ہی نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اُن کے پاس کسی امیر نے ایک بیش قیمت موتی ہدیۃً بھیجا خادم نے پیش کیا فرمایا الحمد للہ اور حکم دیا کہ اس کو رکھ لو خادم نے رکھ لیا اتفاق سے وہ موتی چوری ہو گیا خادم نے یہ واقعہ بھی عرض کیا۔ اُن بزرگ نے فرمایا الحمد للہ۔ خادم کو بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے دوسرے وقت پوچھا کہ حضرت مجھے بڑی حیرت ہے وہ یہ کہ جب موتی حضور میں آیا تھا اُس وقت بھی آپنے الحمد للہ فرمایا تھا اور ضائع ہونے کی خبر معلوم ہو کر بھی یہی الحمد للہ فرمایا اس میں کیا راز ہے۔ آنا اور جانا دونوں پر کیسے خوشی ہو سکتی ہے فرمایا میں نے نہ آنے پر الحمد للہ کہا نہ جانے پر بلکہ جس وقت آیا تھا میں نے قلب کو دیکھا کہ آنے پر کچھ خوشی نہیں ہوئی اس پر میں نے الحمد للہ کہا تھا اسی طرح جانے پر میں نے قلب میں کچھ رنج نہیں پایا اس لیے میں نے الحمد للہ کہا۔ یہ حالت ہے اہل اللہ کی۔ اسی طرح ایک اور قصہ ہے کہ کسی امیر نے ایک بزرگ کی خدمت میں ایک چینی آئینہ بہت قیمتی ہدیۃً بھیجا تھا وہ بزرگ کبھی کبھی اُسمیں اپنا منہ دیکھا کرتے تھے۔ اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اُسکو بڑا ہی ڈر ہوا کہ دیکھئے کیا ہوگا کیسا جلال آئے گا۔ جلال پر ایک مضمون یاد آیا وہ یہ کہ خدا کے اسماء کو لوگ جلالی اور جمالی کہتے ہیں۔ یہاں تک تو صحیح ہے۔ واقعی اسمائے باری تعالیٰ بعض جلالی ہیں اور بعض جمالی مگر لوگوں نے جو ان سے مراد لے رکھی ہے وہ غلط ہے۔ لوگوں کے نزدیک جلالی اُن اسماء کو کہتے ہیں جنکے پڑھنے سے وبال پڑے گرمی پیدا ہو جنون پیدا ہو جائے۔ اور جو اسماء ایسے ہوں اُن کو جمالی کہتے ہیں۔ سو یہ تفسیر محض غلط ہے کہیں خدا کے نام سے بھی وبال اور نحوست یا جنون پیدا ہوتا ہے

نعوذ باللہ بلکہ جلالی وہ ہیں جن میں معنی قہر کے پائے جاتے ہیں جیسے قہار۔ جبار۔ عزیز۔ اور جمالی وہ ہیں جن میں معنی لطف کے پائے جاتے ہیں جیسے رحمٰن۔ رحیم۔ کریم۔ لطیف۔ سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں دونوں صفتیں ہیں اسی معنی کے اعتبار سے بعضے بزرگوں کو بھی لوگ جلالی کہتے ہیں کہ ان کو غصہ بہت آتا ہے۔ سو یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کو غصہ آتا ہے مگر اس میں مصالح ہوتے ہیں۔ پس ان کا جلال بھی مشتمل جمال پر ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے قہر کے ساتھ بھی لطف ملا ہوا ہوتا ہے اس لطف پر ایک آیت یاد آئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ (اگر اللہ میاں لوگوں کے ان کے گناہوں پر مواخذہ فرماتے تو زمین پر چلنے والے ہیں سب کو ہلاک کر ڈالتے۔ بظاہر یہاں مقدم اور تالی میں ملازمت کا تعلق نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مواخذہ تو ہوا آدمیوں سے اور ہلاک ہوں دواب بھی اگر یوں فرماتے تو ملازمت کا تعلق ہوتا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنَ النَّاسِ (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ان کے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ فرمائیں تو زمین پر کوئی آدمی نہ بچتا) سو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمیوں کو ڈرا بھی رہے ہیں جو قہر و جلال ہے اور اس کے ساتھ ہی انسان کا شرف بھی بتلا رہے ہیں جو لطف و جمال ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ اگر انسان سے مواخذہ کیا جاتا تو سارے عالم کو اس لئے درہم برہم کر دیا جاتا کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے انسان ہی کے واسطے ہے جب یہ نہ رہتا تو کچھ بھی نہ رہتا سبحان اللہ! جن پر غصہ ہے ان کی شرافت و مقصودیت بھی ظاہر کی جا رہی ہے صاحبو واقعی تم بڑے مرتبہ والے ہو مگر افسوس ہم لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر تدبر نہیں کرتے اگر تدبر کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غصہ میں بھی رحمت نظر آتی اور اس سے ہمارے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی۔ اسی طرح اہل اللہ بھی غصہ ہوتے ہیں مگر ان کے غصہ کے اندر رحمت بھی ہوتی ہے۔

واقعات کو دیکھو تو معلوم ہو کہ وہ کتنی رعایتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ جن بزرگ کا واقعہ میں بیان کر رہا تھا کہ خادم کے ہاتھ سے ان کا آئینہ چینی ٹوٹ گیا جو موجب عتاب یا غضب ہوتا مگر اس میں بھی ان کی رحمت کا ظہور ہوا وہ اس طرح کہ خادم کو جب عتاب کا ڈر ہوا تو اس نے سوچا کہ بزرگ زندہ دل ہوتے ہیں لاؤ شاعری بگھارو خوش ہو کر کچھ نہ کہیں گے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا ع از قضا آئینہ چینی شکست۔ تو آپ فی البدیہہ فرماتے ہیں ع خوب شد اسباب خود بینی شکست

یعنی اس آئینہ کا بھی جھگڑا ہی تھا خود بینی کا سبب تھا اچھا ہوا ٹوٹ گیا پاپ کٹا یہ حالت ہوتی ہے اہل اللہ کی دنیوی تعلقات کی کہ ان کو کسی چیز کے مل آنے سے فرحت ہو نہ جانے سے غم۔ اسی انقطاع تعلق کو کہتے ہیں سے

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند ؛ از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

ترجمہ :۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اُسکو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ زراعت تجارت بی بی بچے سب چھوٹ جاتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل کو کوئی خاص لگاؤ اور تعلق نہیں رہتا بلکہ خاص لگاؤ اللہ تعالےٰ سے ہو جاتا ہے مکہ میں کثرت سے ایسے دکان دار ہیں جنکی یہ حالت ہے کہ دکان پر سودا لئے بیٹھے ہیں اور دلائل الخیرات پڑھ رہے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں ذکر میں مشغول ہیں۔ کوئی خریدار آیا سودا دیدیا پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے اور یہ معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر جب بقدر ضرورت مل گیا دکان بند کی اور گھر کو بلکہ اکثر حرم شریف کو چلدئے بس اتنا تعلق ہے ان کو دنیا کی چیزوں سے۔ ایک شخص عبد اللہ شاہ تھے دیوبند میں جو گھاس بیچتے تھے جو ملتا اس میں سے ایک حصہ اپنی والدہ کو دیتے اور ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور باقی اپنے خرچ میں لاتے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور دوسرے حضرات کی دعوت کی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ دعوت کہاں سے کروگے تمہارے پاس ہے ہی کیا۔ کہنے لگے کہ جو حصہ خیرات کا نکالتا ہوں اسی سے دعوت کرونگا غرض پانچ آنے جمع کئے اور حضرت مولانا کے پاس لائے اور کہا کہ تم ہی پکا بھیجو میں کہاں جھگڑا کروں گا۔ اگر دنیا دار بھی اس طرز کو اختیار کر لیں تو کیسا اچھا ہو۔ مہمان تھے کئی اور پیسے کل پانچ آنہ بزرگ مہمانوں کا مشورہ ہوا کہ کوئی سستی سی چیز تجویز کی جاوے۔ چنانچہ میٹھے چاول گڑ کے تجویز ہوئے۔ بڑی احتیاط سے پکائے گئے کوری ہانڈی منگائی گئی۔ پکانے والے کو وضو کرایا گیا۔ غرض ہر طرح کی احتیاط کی گئی۔ وہ چاول تھے ہی کتنے ایک ایک دو دو لقمہ کھالئے۔ مولانا خود فرماتے تھے کہ ان دو لقموں کی یہ برکت دیکھی کہ ایک ماہ تک قلب میں انوار و برکات محسوس ہوتے تھے۔ ایک ماہ کا بل یہ اثر رہا۔ اور میں کہتا تھا

کہ جیسی کی کمائی کے ایک لقمہ کا یہ اثر ہے تو جو دن رات اسی کو کھاتا ہے اسکی کیا حالت ہوگی صاحبو! اگر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت ہوگی تو یہ بات پیدا ہو جاویگی بس اہل اللہ دنیا کو ضروری تو سمجھتے ہیں مگر الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ۔ ان کا مشرب ہوتا ہے یعنی ضروری چیز بقدر ضرورت ہی اختیار کیجاتی ہے۔ وہ حضرات بقدر ضرورت دنیا کو حاصل کرتے ہیں جیسے تم پاخانہ میں جاتے ہو تو کیا وہاں تفریح کے لئے جاتے ہو بلکہ ضرورت رفع کرنے کو اور جہاں ضرورت رفع ہوگئی بس باہر نکل آئے۔ اسی طرح ان کے نزدیک دنیا ایک حاجت کی چیز ہے تفریح کی چیز نہیں دل لگانے کی جگہ نہیں۔ بس اللہ کی محبت میں یہ اثر ہوتا ہے کہ دنیا کی چیزوں سے ضروری تعلق رہ جاتا ہے زیادہ نہیں ہوتا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند ؛ از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

(جس کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اسکو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں)

بس یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ کی محبت سے دنیا جاتی رہتی ہے تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اسکو دنیا سے تعلق و محبت نہیں رہتی۔ یہ معنی نہیں کہ وہ سارے حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہے وہ کرتا سب کچھ ہے مگر دل اور ہی طرف رہتا ہے۔ بس یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل بیار دست بکار۔ دنیا داروں کی طرح نہیں کہ ہر وقت دنیا ہی میں ان کا دل رہتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر تھے انکو نماز میں بھی شعر ہی کی سوجھتی تھی۔ جہاں کوئی مصرعہ موزوں ہوا نماز توڑ دیتے اور شعر لکھ لیتے ایسے ہی دنیا داروں کا مذاق ہے کہ اگر نماز کے وقت گاہک آگیا تو یوں سمجھتے ہیں کہ اگر نماز جماعت سے پڑھی اور دیر لگ گئی تو گاہک بھاگ جائے گا اور مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز جماعت سے پڑھو یہ بڑی مشکل بات ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جانے کے بعد دنیا کی چیزوں سے ایسا تعلق نہ رہے گا کہ دنیا کو دین پر ترجیح دیجائے باقی وہ کمانے میں تم سے اچھا رہے گا۔ ہمارے قریب گانوں میں ایک شخص ہیں ایک گانوں میں کھیتی کرتے ہیں اور کھیتی بھی عجیب طریقہ سے ایک بیل تو ان کے پاس ہے اور دوسرا بیل ضرورت کے وقت کرایہ لے لیتے ہیں کبھی کبھی تیسرے چوتھے سال دس پانچ روپے کسی سے قرض بھی لے لیتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اتنا غلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ سال بھر کو کافی ہو جاتا ہے اور دین کی یہ حالت ہے

کہ کام بھی کرتے ہیں اور ذکر میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ اطمینان اُن کے اندر اس قدر دیکھا
کہ ایسا اطمینان ہونا مشکل ہے۔ بیماری (انفلوئنزا) جو پھیلی تھی تو لوگوں کے دلوں کی کیا
حالت تھی سب جانتے ہیں کہ کیسی پریشانی سب کو تھی۔ وہ اسی حالت میں میرے پاس آئے
تھے اور خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ بات بھی ایک شان ہے اللہ کی کہ ذرا سی دیر میں کیا سے
کیا ہو جاتا ہے ذرا ہراس اُن پر نہ تھا دیہے وہ دیکھنے میں گنوار ہیں کوئی پڑھے لکھے آدمی نہیں
مگر فہم کی یہ حالت ہے کہ پڑھے لکھوں سے زیادہ فہیم ہیں۔ دین سے فہم بھی درست ہو جاتا ہے
اس درستی فہم پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک شخص گنوار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور
کہا کہ مولوی جی مجھے مرید کر لو۔ حضرت نے فرمایا اچھا بھائی آ۔ مرید کرتے ہوئے جو باتیں
کہلواتے ہیں کہ نماز پڑھو روزہ رکھا کرو سب کچھ کہلوا لیا۔ جب مولانا اپنی باتیں پوری فرما چکو
تو آپ کہتے ہیں کہ مولوی جی تم نے افیم سے تو توبہ کرائی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی مجھے
کیا خبر کہ تو افیم بھی کھاتا ہے۔ حضرت چونکہ طبیب بھی تھے جانتے تھے کہ دفعۃً افیون کا چھوڑنا مشکل
ہے اور طالب کی حالت کی رعایت ضروری ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ کتنی کھایا کرتے ہو
میرے ہاتھ پر رکھ دو اس نے گولی بنا کر حضرت کے ہاتھ پر رکھ دی۔ حضرت نے اس میں سے
کچھ کم کر کے باقی اسکو دیدی اور فرمایا کہ اتنی کھایا کرو۔ پھر مشورہ کر لینا۔ وہ شخص کچھ
دیر خاموش بیٹھ کر کہنے لگا۔ اجی مولوی جی جب توبہ ہی کر لی پھر اتنی اور اتنی کیا یہ کہکر افیون
کی ڈبیہ نکالکر دیوار پر ماری اور کہا کہ اری افیم جا میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ بس یہ کہکر چلا گیا نہ
ذکر پوچھا نہ شغل۔ افیون کے چھوڑنے سے دست آنے لگے اس نے کہلا بھیجا کہ مولوی جی
دعا کر دیجیو کہ میں اچھا ہو جاؤں مگر افیم نہ کھاؤں گا۔ غرض بری حالت تک نوبت پہنچی مرتے
مرتے بچا۔ مگر اچھا ہو گیا۔ تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے پوچھا
کون؟ کہا میں ہوں افیم والا اور سارا قصہ بیان کیا اسکے بعد دو روپیہ پیش کئے۔ مولانا نے
کسی قدر عذر کے بعد دلجوئی کی غرض سے قبول فرما لئے تو آپ کہتے ہیں کہ اجی مولوی جی
یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ کیسے روپے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اب بتلا دے کیسے
روپے ہیں اس نے کہا یہ روپے افیم کے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ افیم کے کیسے اس نے کہا کہ

بیس دو روپے مہینہ کی افیم کھاتا تھا جب میں نے افیم سے توبہ کی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپے ماہوار بچیں گے میں نے کہا یہ تو دین میں دنیا مل گئی بس میں نے نفس سے کہ کہ یہ یاد رکھو کہ یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا یہ مت سمجھ کہ تجھے دونگا بلکہ اُسی وقت نیت کرلی کہ جتنے کی افیم کھایا کرتا تھا وہ پیر کو دیا کروں گا۔ بس یہ دو روپیہ ماہوار آپ کے پاس آیا کریں گے۔ دیکھا آپ نے یہ گنوار کی حکایت ہے جسکو پڑھنا لکھنا کچھ نہ آتا تھا۔ مگر دین کی بر ایسی تھی کہ دین میں دنیا کی آمیزش کو فوراً سمجھ گیا۔ یہ وہ بات ہے کہ اچھے اچھے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی الغرض کامل بزرگوں سے ایسے واقعات منقول ہیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن نوری کا واقعہ ہے کہ ایک جہاز میں بیس مٹکے شراب کے خلیفۂ وقت کے واسطے آئے تھے۔ آپ بھی دریا کے کنارے ٹہلتے ہوئے پہونچے۔ جہاز والے سے پوچھا کہ اسمیں کیا چیز ہے اُس نے کہا کہ خلیفہ کے واسطے شراب آئی ہے۔ آپ نے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا۔ انیس توڑ دیئے صرف ایک مٹکا باقی رہ گیا تھا کہ اُس کو آپ نے چھوڑ دیا۔ اس واقعہ کی خبر خلیفہ کو پہونچی۔ خلیفہ کو غصہ آیا اور ان کے پکڑ لانے کا حکم ہوا حاضر کئے گئے۔ خلیفہ نے ایسی جرأت کی وجہ دریافت کی تو آپ نے کہا حق تعالےٰ کا حکم ہے وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ (حکم کر نیکی کا اور روک برائی سے جو تکلیف تجھ کو پہنچے اُس پر صبر کر) خلیفہ پوچھا کہ ایک کو کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ اس کے توڑنے میں نفس کی آمیزش ہو گئی تھی اسلئے چھوڑ دیا۔ وہ اس طرح کہ جب میں انیس مٹکے توڑ چکا تو نفس کے اندر خیال ہوا کہ تو نے بڑا کام کیا کہ خلیفہ کی بھی پرواہ نہ کی اس بات پر نفس پھولا تو میں نے ایک کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ کام خالص اللہ کے واسطے نہ رہا تھا۔ خلیفہ پر اس اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ اُن کا معتقد ہو گیا اور محتسب شہر بنا دیا۔ اسی طرح نفس کے کید کی طرف اُس (گنوار کا فہم بھی پہونچا۔ یہ حکایت (گنوار کی) اس پر یاد آگئی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ دین اختیار کرنے سے آدمی کا فہم بھی درست ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو وہ باتیں منکشف ہوتی ہیں جو علماء کو بھی نہیں ہوتیں۔ یہ تو نعمت معنوی تھی باقی حسی نعمتیں بھی ایسے شخص کو اوروں سے زیادہ عطا ہوتی ہیں۔ چنانچہ سب نعمتوں کی روح اطمینان ہے اور اس شخص کو اطمینان .... ایسا

میسر ہوتا ہے جو مال سے بھی کبھی حاصل نہیں ہو سکتا، پھر ایک اور بات کہتا ہوں کہ دنیا کی چیزوں سے
اگر تعلق کم ہو گیا تو ضرور کیا ہوا بلکہ تعلق کم ہونے سے تو اور قید سے رہائی ہو جائے گی بہر حال یہ اثر
دین میں ہے کہ دنیا کا فکر و غم کم ہو جائے گا یہ خود اسی میں خاصیت ہے باقی بعضوں کا یہ خیال بالکل
ہی غلط خیال ہے کہ پہلے دنیا کے سب کام پورے کریں اسکے بعد دین حاصل کریں گے۔ کیونکہ
دنیا کا سلسلہ تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔

ع کار دنیا کسے تمام نہ کرد

بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ساری عمر دنیا ہی کے قصوں میں گذر جاتی ہے دین کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ بس اگر کامیابی کی صورت ہے تو یہی ہے کہ دین کا کام شروع کر دو، یہ انتظار ہی مت کرو کہ پہلے دنیا کا کام تمام کریں پھر دین کا کام کریں گے۔ دین کی روشنی پھیلنے سے فضول دنیا کی ظلمت خود ہی جاتی رہے گی اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر اسکی ہمت نہ ہو تو چلو یہ بھی نہ سہی بلکہ یوں کرو کہ دونوں کو ساتھ ساتھ شروع کر دو۔ پھر یہ ہو گا کہ دین غالب ہو کر فضول دنیا فنا ہو جائے گی۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا بالکل جاتی رہے گی، دنیا بقدر ضرورت تو باقی رہتی ہے۔ ہاں جیسا تعلق قلب کو اس کے ساتھ پہلے تھا وہ باقی نہیں رہتا۔ دنیا ویسی محبوب نہیں رہتی۔ میں پھر مکرر کہتا ہوں کہ دین کو شروع کر دو۔ دنیا سے فارغ ہونے کا انتظار مت کرو۔ دین خود دنیا پر غالب آجاوے گا۔ دنیا کے ساتھ دین کو شروع کرنے کے متعلق بھی لوگ ایک غلطی میں مبتلا ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ طاعت و تجارت میں منافات ہے پھر دنیا کے ساتھ دین کیسے شروع کریں انکا یہ خیال ہے کہ دکانداری نہ ہو تب طاعت ہو سکتی ہے۔ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ اس غلطی کو بھی رفع فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی صفت بیان فرما رہے ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں ڈالتی۔ یوں نہیں فرمایا رِجَالٌ لَّا يَتَّجِرُوْنَ کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ تجارت نہیں کرتے۔ اگر دونوں میں منافات ہوتی تو یوں فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں میں منافات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تجارت تو وہ لوگ کرتے ہیں مگر تجارت ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔ ذکر اللہ تجارت و بیع کو چھڑاتا نہیں البتہ غفلت سے روکتا ہے

بہر حال ایک غلطی تو یہ ہے کہ بعض لوگ یوں خیال کرتے ہیں کہ دنیا کو جب بالکل نہ چھوڑ دیں دین کیا اختیار کریں اور دنیا چھوڑنا مشکل اس لئے وہ دین کو اختیار ہی نہیں کرتے حالانکہ دین دنیا کو چھوڑنا نہیں۔ یہ غلطی تو اُن لوگوں کی ہے جو ہنوز دین کے طالب ہی نہیں ہوئے اس غلطی کو سبب وہی دین و دنیا میں تنافی کا اعتقاد ہے ایک وہ لوگ ہیں جن کے قلب میں دین کی عظمت ہے اور بزعم خود اُسکے طالب بھی ہیں مگر اُن کی یہ حالت ہے کہ جس کو فقیر سُن لیا اُسکی تعظیم کرنے لگے گو وہ تعظیم شرک ہی کیوں نہ ہو اگرچہ منشاء اس تعظیم کا عظمت ہے دین کی مگر اس تعظیم میں غلو ہو گیا ہے اس لئے وہ پیروں ہی کے ہو لئے اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو گئے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تجارت اور دین میں تنافی ہے اس لئے دنیا کو بالکل قطع کرتے ہیں۔ اس غلطی کا سبب بھی وہی دین و دنیا کی تنافی کا اعتقاد ہے۔ ایک غلطی نئی تعلیم یافتوں کو ہوتی ہے قصد کو ضروری ہی نہیں سمجھتے انہوں نے اصل اور مقصود بالذات دنیا ہی کو قرار دے رکھا ہے اس کے تابع دین بھی سہی۔ دین کو دنیا کے ساتھ ایسا سمجھتے ہیں جیسا دوپٹہ میں پیمک۔ اصل مقصود تو دنیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تھوڑا لگاؤ دین کا بھی سہی۔ دین کو متبوع نہیں سمجھتے جیسے کپڑا تو اصل ہے اور پیمک اُسکے تابع۔ اسی طرح یہ لوگ دنیا کو اصل قرار دیتے ہیں کہ اگر وقت بچے تو خیر دین کا کام بھی کر لو۔ اگر نہ بچے تو مت کرو۔ بعض کا یہاں تک خیال ہے کہ مذہب صرف اس لئے ہے کہ دنیا کی ترقی کی جائے۔ بعض کو جنت و دوزخ سے بھی انکار ہے۔ کہتے ہیں کہ صرف ڈرانے کی غرض سے جنت و دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے کوئی واقعی چیز نہیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا غیر واقعی چیز سے جس کا غیر واقعی ہونا بھی بتلا دیا جائے کیسے تخویف ہو سکتی ہے۔ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے اس کا وجود الفاظ ہی میں ہے واقع میں نہیں تو وہ اس سے کیا خاک ڈرے گا۔ پس دعویٰ عقلاً بھی غلط ہوا کہ صرف ڈرانے کی غرض سے دوزخ کا ذکر کیا ہے۔ جب عقلاً یہ مصلحت محض باطل ہوئی تو یوں کہو کہ فضول ذکر کیا ہے سو ایسا ایمان و اسلام آپ ہی کو مبارک ہو جو خدا کی طرف لغو اور عبث کو منسوب کرے، اور اگر فرض بھی کر لو نعوذ باللہ جنت و دوزخ واقعی کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالےٰ نے محض بطور پالیسی کے ان کا ذکر کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب خدا نے ہم کو ڈرایا ہے تو یہ تو معلوم

ہو گیا کہ اسکی غرض یہی ہے کہ لوگ جنت و دوزخ کا اعتقاد رکھیں تو پھر اسکی کیا وجہ کہ خداوند
تعالیٰ ایک پالیسی قائم رکھنا چاہتے ہیں اور آپ اسکو توڑنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کے ذمہ یہ بات
لازم نہیں کہ خدا کی پالیسی کی حفاظت کریں۔ نہ معلوم ان لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی یا مسخ ہو گئی
علاوہ اس کے اگر جنت و دوزخ کا وجود نہیں تو ان سے ڈرانا ایسا ہوا جیسے بھجنے سے بچوں کو
ڈرایا کرتے ہیں کہ اس کا وجود کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے (نعوذ باللہ) اللہ کی ہم پناہ
مانگتے ہیں، جھوٹ بولا پھر اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا کہ نیز اللہ تعالیٰ بے وقوفوں ہی کے
ڈرانے کو ہیں ان عاقلوں کے ڈرانے کو نہیں کیوں ہوا سے تو بے وقوف ہی ڈرا کرتے
ہیں۔ لندن کی ہوا کھانے والے خاک ڈریں گے۔ سبحان اللہ کیا عظمت کی ہے ان
لوگوں نے خدا تعالیٰ کی۔ عنقریب معلوم ہو جاوے گا آخرت میں۔ غرض ان لوگوں کے نزدیک
اصل تو ہے دنیا باقی دین و مذہب وہ محض دنیا کی حفاظت کے لئے ہے اس طرح سے مشاہدہ
ہے کہ مذہب کی برابر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ جب مذہب کی پابندی ہو گی تو فتنہ فساد نہ ہو گا
کوئی کسی کا حق نہ مارے گا چوری نہ کرے گا۔ آپس میں اتفاق قائم رہے گا۔ پس دنیا
پُر امن ہو گی گویا مذہب اُن کے نزدیک اس لئے بنایا گیا ہے کہ دنیا کی حفاظت رہے۔
صاحبو! اس سے تو سارا قرآن و حدیث ہی اڑا جاتا ہے پھر چونکہ اصل مقصود ان کے
نزدیک دنیا ہے اور اہل دین مقصود دین کو سمجھتے ہیں اس لئے یہ لوگ دین والوں کو بیوقوف
بھی سمجھتے ہیں۔ اور اس اعتقاد کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اپنوں سے بوجہ طالب دین ہونیکے
غیر معتقد اور غیر قوموں کی بوجہ طالب دُنیا ہونے کے مدح کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ خلق
ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جو بات بھی ہے وہ تو انکے
نزدیک بُری اور غیر قوموں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اچھی ہمیشہ اپنے لوگوں کی بُرائی اور
غیر قوموں کی مدح کرتے رہتے ہیں۔ ایک اثر یہ ہے کہ علماء کی بات کو نہیں مانتے کیونکہ انکو
تو بیوقوف شمار کرتے ہیں چنانچہ علماء ہمیشہ سے کہتے آ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک
جماعت خالص مذہبی ہونی چاہئے جو محض مذہب کی خدمت کرے مگر یہ لوگ اس میں
قیل و قال کرتے رہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ان کی یہ ساری قیل و قال اسی وقت تک

رہی جب تک کہ غیر اقوام نے اپنے اندر ایسی مذہبی جماعت پیدا نہیں کی تھی اور اب جو وہ ایسا کرنے لگے تو یہ بھی ان ہی کا دم بھرنے لگے کہ مذہبی جماعت ضرور ہونا چاہئے۔ چنانچہ غیر قوموں کی دیکھا دیکھی اب کسی قدر یہ بھی علماء کے ہم زبان ہو گئے ہیں۔ بس ان کا مذہب وہی ہو جاتا ہے جو غیر قوموں کا مشرب ہو جاوے حالانکہ بفضلہ تعالیٰ ہمیں غیر قوموں سے کسی چیز کے لینے کی کچھ بھی حاجت نہیں ہمارے یہاں تو سب کچھ ہے مگر ان کی مثال ایسی جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر ✿ تو ہمی جوئی لب نان در بدر

(ایک ٹوکرا روٹیوں کا بھرا ہوا تیرے سر پر رکھا ہوا ہے اور تو روٹی کا ٹکڑا در بدر مانگتا پھرتا ہے)

یعنی کسی کے سر پر ایک ٹوکرا روٹیوں کا لدا ہوا ہے اور وہ در بدر روٹی کے ٹکڑے کی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ ہمارے یہاں تو جواہرات بھرے ہوئے ہیں اور یہ دوسروں سے کوڑیوں کے طالب ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ تقلید کرتے ہیں غیر قوموں کی حالانکہ اپنے یہاں سب کچھ ہے اور طرفہ یہ ہے کہ اس کورانہ تقلید میں پریشانی بھی اٹھاتے ہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک اوچھے صاحب تھے جنٹل مین۔ گھر کے غریب تھے اس لئے کوٹ پتلون بھی صرف سوتی گبرون کا تھا جس میں ذرا گرمی نہ تھی۔ جاڑے کا موسم ریل میں سفر کر رہے تھے جنٹل مینی لباس پہنے ہوئے تھے کان بھی کھلے ہوئے سر بھی کھلا ہوا۔ ایک انگریز نے لیمنیڈ پانی اور برف پیا آپ نے بھی تقلید میں برف پیا۔ بس اینٹھ گئے ایک اور صاحب جو مجھ سے اس حکایت کو بیان کرتے تھے اُس درجہ میں بیٹھے ہوئے تھے اُن کے پاس رضائی تھی اُن کو صاحب بہادر کے حال پر رحم آیا۔ انہوں نے کہا کہ رضائی لیتے ہو کچھ انکار کیا پیچھے سے لیلی۔ سب اینٹھ مروڑ نکل گئی۔ خدا کے بندے کو اس حالت میں بھی برف پینا رہ گیا تھا۔ مگر صاحب بہادر کیسے نہیں اگر ایسا نہ کریں وہی مثل ہے ؎

کلاغے تگ کبک در گوش کرد ✿ تگ خویشتن را فراموش کرد

(جنگلی کوے نے چکور کی چال اختیار کی اپنی چال کو بھول گیا)

ایک اور صاحب بہادر ریل میں سفر کر رہے تھے اور ایک مولوی پرانے خیال کے

سید سے سامنے چلمن والے بھی اُسی درجہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کے ساتھ صراحی
تھی انہیں انہوں نے پانی بھر کر رکھ لیا تھا کیونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی ۔ آپ صراحی
کو دیکھکر کہتے ہیں یہ کیا بھنگیوں کا سا برتن لیا ہے انہوں نے کہا جیسا میں ہوں
ویسا ہی میرا برتن ہے ۔ کیونکہ بچارے سادے کپڑے پہن رہے تھے اور ایسے
لوگوں کی آج کل کچھ قدر نہیں ۔ بلکہ ایسے لوگوں کو یہ لوگ دقیانوسی خیال کا کہتے ہیں
اس لیئے انہوں نے ایسی بیباکی کی گفتگو کی صاحب بہادر کو اتفاق سے شدت کی پیاس
لگی ۔ اور پانی ساتھ رکھنا خلاف تہذیب تھا ۔ اب لگے کن انکھیوں سے مولوی
صاحب کی صراحی کو تکنے مگر شرم کے مارے مانگیں کیسے ۔ واقعی کریم النفسی اہل اللہ پر
ختم ہے ۔ مولوی صاحب کو اُن کی حالت پر رحم آیا ۔ کوئی اور ہوتا تو کبھی رحم نہ کرتا انہوں
نے فراست سے معلوم کر لیا کہ اسکو پیاس لگی ہے مگر شرم کی وجہ سے کہہ نہیں سکتے تو مولوی
صاحب بتکلف آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی سی دیر میں مصنوعی خراٹے
بھی لینے لگے تاکہ یہ صاحب سمجھیں کہ سو رہے ہیں ۔ جب اپنے خیال میں انہوں نے
سوتا ہوا سمجھ لیا تو اپنی جگہ سے اٹھے صراحی سے پانی پینے کے ارادہ سے ۔ یہ بھی چپکے
چپکے دیکھتے رہے ۔ صاحب بہادر نے صراحی اٹھائی مگر ڈرتے جاتے ہیں کہ کہیں جاگ نہ
جائیں ۔ مگر اس وقت انہوں نے کچھ نہیں کہا ۔ اس خیال سے کہ بیچارے غریب کو پانی
پی لینے دو پیاسا نہ رہ جائے ۔ دیکھئے کیا حوصلہ ہے اہل اللہ کا ۔ غرض آپ نے خوب
پانی پیا جب پانی پیکر صراحی رکھنے لگے تو مولوی صاحب نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا اور کہا
ہائیں آپ نے بھنگیوں کے برتن سے پانی کیسے پی لیا ۔ اب تو بڑے خفیف ہوئے اور کہا
معاف کیجئے میں اپنی بات کو واپس لیتا ہوں ۔ واقعی مجھ سے حماقت ہوئی ۔ پھر جو صاحب
بہادر کو معلوم ہوا کہ مولانا کسی اسکول کے پروفیسر بھی ہیں اب تو لگے تعظیم کرنے ۔ ایسے
لوگوں کا ایک فیشن یہ بھی ہے کہ سفر میں بستر بچھونا نہیں لیتے ۔ پانی کا برتن ساتھ نہیں رکھتے
کہتے ہیں کہ جہاں جائیں گے وہاں بستر بچھونا موجود ہے اور پانی اسٹیشنوں پر ملتا ہی ہے
پھر کیا ضرورت ہے ۔ کچھ نہیں صرف غیر قوموں کی تقلید ہے خواہ اس میں تکلیف ہی ہو اُن کے

اسی مذاق کی بنا پر میں نے الہ آباد میں ایک وعظ میں جنٹلمینوں سے خطاب کیا تھا کہ صاحبو! لندن سے داڑھی رکھنے کا فتویٰ آنے والا ہے۔ اخبار کی خبر ہے کہ لندن کے ڈاکٹروں نے اس پر رائے دی ہے کہ داڑھی رکھنی چاہئے۔ اب قبل اس کے کہ وہ لوگ داڑھی رکھیں تم جلدی داڑھی رکھ لو۔ کیونکہ اگر اب نہ رکھی اور بعد میں تو ضرور ہی رکھو گے تو لوگ مطعون کریں گے کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے تو نہ رکھی اور لندن والوں کے کہنے سے رکھی اس لئے ابھی سے رکھ لو تاکہ بدنامی نہ ہو۔ اسی طرح علماء کی اس بات کو کہ ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو محض دین کی خادم ہو اور کوئی کام اس سے نہ لیا جائے کسی نے نہیں مانا تھا مگر ابھی تھوڑے دنوں سے ہندوؤں نے یہ کام شروع کر دیا ہے ان کا خیال ہے کہ ایک جماعت مذہبی ایسی ہونی چاہئے جو صرف مذہب کی خدمت کرنے والی ہو اور کوئی کام ان کے متعلق نہ ہو۔ بس دن رات یہی کام کیا کرے تو مسلمان بھی کچھ کچھ سمجھنے لگے۔ غرض ان کو شب و روز دنیا ہی مقصود ہے۔ مذہب کو یہ لوگ محض اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے مصالح دنیا محفوظ ہیں۔ باقی دین کو دینی حیثیت سے اختیار نہیں کرتے اگر ایسا ہوتا تو دینی امور کو از خود اختیار کرتے اسی کو پسند کرتے۔ دوسری قوموں کے کیوں منتظر رہتے۔ بس ایک غلطی ان لوگوں کی یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود اور دین کو تابع قرار دیتے ہیں حالانکہ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ سے غافل نہیں کرتی) کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا خود مقصود نہیں بلکہ دین اصل مقصود ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو یوں فرماتے لَا تُلْهِيهِمْ ذِكْرُ اللَّهِ عَنِ التِّجَارَةِ یعنی ذکر اللہ کے شغل سے تجارت میں غفلت نہیں ہوتی انہوں نے فرمایا ہے کہ تجارت اور بیع ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود دین ہے اور یہ مسئلہ مسلمانوں کے نزدیک تو بالکل بدیہی بلکہ حسی ہے کہ اگر دین مقصود نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے دنیا کمانے کے طریقے نہیں بتلائے۔ صرف احکام بتلائے ہیں اور چونکہ عقلی مسئلہ ہے کہ فعل کا اثر قول سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے میں پوچھتا

ہوں کہ اگر دنیا مقصود تھی تو اللہ تعالے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا نمونہ
کیوں نہ بنایا اس طرح سے کہ آپ کا کوئی کارخانہ ہوتا اور بہت بڑا کارخانہ ہوتا جیسے
حضور صلی اللہ علیہ دین میں بے مثیل نمونہ ہے اور دنیا میں بھی تھے مگر احادیث میں دیکھ لیجئے
کس چیز کا نمونہ تھے۔ اگر حدیث صحیح نہیں (جیساکہ ان میں سے بعض کا خیال ہے) تو تواریخ
تو موجود ہیں (تواریخ ان حضرات کا دین ایمان ہے) تواریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
حالات دیکھئے کہ کیا تھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیوی اعتبار سے آپ کی کیا حالت تھی۔ میں
ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تادیباً اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی
ایک مہینے کے لئے قسم کھالی تھی اور مشہور یہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب طلاق
دیدی ہے اور اس پر سب لوگ رو رہے تھے۔ اس حالت میں حضرت عمرؓ نے آپ کی خدمت
میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی مگر اجازت نہیں ہوئی حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا کہ شاید آپ کو
خیال ہوا ہے کہ حفصہؓ کی سفارش کرنے آئے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو ان کی سفارش ماننی
پڑے گی۔ اس لئے اجازت نہیں ملی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے پکار کر عرض کیا کہ میں حفصہ کی
سفارش کرنے نہیں آیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمائیں تو میں حفصہ کا سر اتار لاؤں۔
میں صرف واقعہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آنے کی اجازت دیدی
وہ حاضر ہوئے اس کے بعد ان کی نظر دولت خانہ کی ہیئت پر پڑی تو دیکھا کہ گدے میں کھجور
کے پتے بھرے ہوئے ہیں اور کچھ چمڑے لٹکے ہوئے تھے بس یہ کائنات تھی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے سامان کی نہ بکس نہ الماری نہ میز نہ کرسی نہ بنگلہ نہ کوٹھی نہ اور کوئی ساز و سامان
اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یہ قیصر و کسریٰ خدا کے دشمن صلیب پرستی کرنے والے ان کے پاس تو ساز و سامان اور
آپ کی یہ حالت آپ خدا تعالے سے دعا کیجئے کہ آپ کی امت پر دنیا کی وسعت فرماویں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب سے یہ نہیں کہا کہ آپ پر وسعت فرماویں۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپ کے
خادموں کو ایسا کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سنکر اٹھ بیٹھے اور فرمایا
اَفِی شَکٍّ اَنْتَ یَا عُمَرُ۔ اے عمر! تم ابھی تک شک ہی میں ہو۔ ان لوگوں کو تو جو ملنا تھا

سب کچھ دنیا میں مل گیا ہے وہاں کچھ نہیں اور ہمارے لیے آخرت کی راحت ہے،
یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور یہ معاشرت ہے۔ آجکل بعض لوگوں کا خیال یہ ہے
کہ حدیث مولویوں کی گھڑی ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ تمہارے نزدیک تاریخ تو گھڑی
ہوئی نہیں تاریخ ہی کو دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں دنیا کم تھی یا زیادہ،
سو حدیث میں بھی ہے اور تاریخ میں بھی ہے کہ دنیا آپ کے یہاں بہت ہی کم تھی۔ یہ
حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ کے یہاں مہمان آئے ہیں پوچھنے پر آپکے سارے گھروں کا
جواب آیا کہ گھر میں پانی تو ہے اور کچھ نہیں۔ کیا اس واقعہ سے نہیں معلوم ہوتا کہ آپ
صرف دین کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن ہی کو دیکھ لیجئے دین کے ساتھ کہیں بھی دنیا
کا مطلوبیت کے ساتھ نام بھی نہیں لیا گیا جس جگہ ذکر ہے دین ہی کا بالذات امر فرمایا ہے
ایک جگہ بھی ایسی نہ ملے گی جہاں بالذات دنیا کی رغبت دلائی ہو۔ باقی میں کسب حلال
منع نہیں کرتا۔ كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ حدیث ہے۔ پس کسب حلال تو فرض ہے
حب دنیا سے منع کیا جاتا ہے جس کے بارہ میں ارشاد ہے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ
خَطِيْئَةٍ کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ صاحبو! ایک تو ہے کسب دنیا اور
ایک ہے حب دنیا۔ کسب دنیا جائز اور بعض مواقع پر واجب اور فرض بھی ہے
اور حب دنیا حرام ہے اور ان میں باہم تلازم نہیں نہ کسب دنیا کے لئے حب دنیا لازم
اور نہ حب دنیا کے لئے کسب لازم کیونکہ کسب دنیا اس وقت بھی ممکن ہے کہ معاش
حاصل کرے مگر اس کے ساتھ شغف نہ ہو اسی طرح حب دنیا اس وقت بھی ہو سکتی ہے
کہ کمائے بھی مگر اس کے ساتھ شغف ہو مثلاً کوئی شخص دنیا نہ کماتا ہو مگر دین سے بھی
غافل ہو تو اسکو حب دنیا حاصل ہے اور کسب دنیا حاصل نہیں۔ کیونکہ دین سے غفلت
ہونا بھی حب دنیا ہے۔ اور بعض جگہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں یعنی کسب دنیا بھی ہو
اور حب دنیا بھی ہو مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے۔ اور
بعض جگہ دونوں نہیں ہوتیں۔ نہ کسب دنیا نہ حب دنیا مثلاً کوئی شخص کسب دنیا بھی نہیں
کرتا اور دین سے غافل بھی نہیں غرض حب دنیا و کسب دنیا متلازم نہیں۔ بعض محب میں

تجارت اور زراعت فرض کفایہ ہے — کس شخص کو کسب دنیا ضروری ہے اور کس کو ضروری نہیں

کاسب نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کاسب ہو اور محب نہ ہو سو ہم حب دُنیا سے منع کرتے ہیں باقی کسب دنیا وہ تو خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے۔ آپ یہ سُنکر تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے سے تجارت فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح زراعت بھی فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ زندگی موقوف ہے اُن چیزوں پر اور ضرورت معاش کی تحصیل فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ خیال بالکل ہی غلط ہے کہ علماء کسب دنیا سے منع کرتے ہیں۔ بھلا فرض کفایہ سے کون منع کر سکتا ہے۔ بس محب دنیا ہونا تو کسی کو جائز نہیں باقی کسب دُنیا میں کسی قدر تفصیل ہے یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کسب دنیا ضروری ہے بعض وہ ہیں جن کے لئے کسب دنیا ضروری نہیں بیان اس کا یہ ہے کہ جس شخص کو عدم کسب کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں کسب دنیا ضروری ہے اسکو چاہئے کہ کسب دُنیا کرے۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ اُن کے دُنیا میں نہ مشغول ہونے سے کسی کا ضرر نہیں نہ اُن کا نہ اہل و عیال کا سو یہ لوگ اگر کسب دنیا نہ کریں تو کچھ حرج نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر وہ دنیا میں مشغول ہوں تو دین کی خدمت نہ کر سکیں اُن کے لئے کسب دنیا مناسب نہیں بشرطیکہ ترک کسب سے تشویش میں نہ پڑیں۔ اللہ کے ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوئے ہیں مگر ایک جماعت ہے دُنیا پرستوں کی وہ ایسے حضرات پر طعن و اعتراض کرتے ہیں کہ یہ اپاہج ہیں آرام طلب ہیں حالانکہ یہ مسئلہ عقلی بھی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک مسلم عِنْدَ الْعُقَلَاءِ (عقلمندوں کے نزدیک) مثال سے سمجھاتا ہوں جو بالکل مذاق جدید کے موافق ہے وہ یہ کہ سرکاری قانون ہے کہ جو شخص سرکاری ملازم ہو اُسکو دوسرا کوئی کام تجارت وغیرہ کرنا ممنوع ہے۔ مثلاً کوئی شخص سرکاری ملازم ہو اور وہ ٹھیکہ لینے لگے تو سرکاری طور سے اُسپر گرفت ہوگی۔ چنانچہ ایک شخص ملازم تھے انہوں نے ملازمت کی حالت میں مطبع کیا کچھ روز کے بعد کسی نے مخبری کر دی اُن پر شبہ ہو گیا بہت قصہ پھیلا گو پورا ثبوت نہ ہونے سے بری تو ہو گئے مگر وہ پشیمان اتنے ہوئے کہ انہوں نے ملازمت ترک کر دی غرض سرکاری آدمی کو اجازت ہی نہیں کہ وہ دوسرا کام کرے۔ مگر اس قانون پر کوئی روشن دماغ اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن اگر یہی

سرکار (یعنی اللہ میاں) کا کوئی ملازم ہو اس لیے وہ اسباب معاش کو ترک کرے تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ نکمے ہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں کے فتوے کی تصدیق نہ ہو اور حکام کے فتوے کی تصدیق ہو۔ قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پر قناعت نہ ہو اور قَالَ الْحُکَّامُ (حکام نے فرمایا) پر قناعت ہو۔ میں گورنمنٹ کے اس قانون کا راز بتلاتا ہوں گو میرے ذمہ تو ہے نہیں مگر تبرعاً بتلاتا ہوں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہو سکتا اگر ملازم سرکار دوسرا کام کرے گا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہو گا اس لیے اس کو اجازت نہیں کہ بحالت ملازمت دوسرا کام کرے اسی طرح جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے۔ مشینیں اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے۔ مگر وہ مثال مذکور کو پیش نظر رکھکر خوب سمجھ لیں کہ جب یہ لوگ دنیا میں مشغول ہونگے تو اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ یہی ہو گا کہ دین کا کام نہ کر سکیں گے۔ ایک مولوی صاحب جو ایک دینی ملازم تھے۔ مگر لکڑیوں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ مدرسہ کے وقت میں طلباء کو پڑھانے بیٹھے ہیں کہ گاہک آگیا اور اس نے لکڑی کا سودا کرنا چاہا۔ بس مولوی صاحب کشمکش میں پڑ گئے اگر اٹھتے ہیں تو مدرسہ کا حرج۔ اگر نہیں اٹھتے تو خریدار لوٹا جاتا ہے۔ مجبوراً اس سے کہتے ہیں بھائی ابھی اٹھتا ہوں ذرا ٹھیر و۔ اسمیں تھوڑا جھوٹ بھی تھا۔ غرض انکا دل بٹ جاتا۔ سبق میں کچھ سے کچھ بیان کر جاتے۔ پہلے تو طالب علموں کو جیسی خوشی تبلاتے تھے اب دل دوسری طرف ہو گیا طلباء کچھ پوچھتے ہیں اور پوچھنے کے سبب اٹھنے میں دیر ہوتی ہے تو اپر جھنجھلاتے ہیں غصہ ہوتے ہیں۔ بس علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ دین کا کام پوری طرح نہیں کر سکتے انہی کے متعلق ایک اور قصہ ہے کہ ایک روز میں راستہ میں جا رہا تھا ایک بڑھیا اپنے دروازہ میں جھانک رہی تھی مجھکو دیکھکر بولی کہ بیٹا یہاں آنا میں گیا تو بولی کہ ایک مسئلہ بتا دو وہ یہ کہ زکوٰۃ دینا مدرسہ میں جائز ہے یا نہیں۔ میں نے مسئلہ بتلایا۔ پھر کہنے لگی کہ میں نے ان سے (یعنی لکڑیوں والے مولوی صاحب سے) بھی پوچھا تھا انہوں نے بھی تمہارے موافق بتلایا مگر مجھکو ان کا یقین نہ ہوا کہ شاید اپنے مطلب کو کہتے ہوں۔ اب تمہارے

بتلانے سے یقین ہوا کیونکہ تم پر یہ شبہ نہیں۔ خیر میں نے بڑی بی کو سمجھا تو دیا کہ ایسا گمان علماء پر جائز نہیں یہ ہے علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا نتیجہ تو معلوم ہو گیا کہ مسائل تک میں انکا اعتبار نہیں رہتا۔ میں کہتا ہوں جو لوگ علماء کو مشورہ دیتے ہیں دنیا میں مشغول ہونیکا اگر علماء ان کی رائے پر عمل کریں تو سب سے پہلے یہی لوگ ان کو مردود ٹھیرائیں گے۔ اس لئے علماء کو یہ مشورہ مت دو کہ دنیا میں مشغول ہوں۔ ان کے مشغول ہونے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ خود تم کو ان کے فتاوی کا ان کے وعظوں کا اعتبار نہ رہے گا۔ غرض علماء کے دنیا میں مشغول ہونے کا یہ اثر ہے۔ اسی لئے میری رائے یہ ہے کہ علماء سے چندہ کی تحریک مت کراؤ۔ انہیں چندہ وصول کرنے کے لئے مت مقرر کرو۔ اس میں بھی ان کا اعتبار جاتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ چندہ کی تحریک رؤساء کریں ان کی تحریک کا یہ اثر زیادہ ہوگا۔ کیونکہ وہ خود بھی دیں گے۔ علماء کی طرف تو یہ خیال ہوگا کہ وہ دوسروں ہی سے کہنے کو ہیں خود کبھی کچھ بھی نہیں دیتے علماء سے وہی کام لو جس کے لئے وہ ہیں (یعنی ان سے دین سیکھو) مگر آجکل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ان کا نہیں ہے۔ کانفرنسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لئے بلاتے ہیں کہ ان کے قال اللہ اور قال الرسول کے ذریعہ سے خوب چندہ ہوگا سبحان اللہ مولوی کیا ہوئے بھاڑے کے ٹٹو ہوئے۔ علماء کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے امور سے احتراز کریں۔ علماء کا طرز تو وہ ہونا چاہئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم تھا وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کرو)۔ یہی انکا طرز بھی ہونا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے۔ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ (کیا آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھا ہے) سو مانگنا علماء کا کام نہیں۔ ان نصوص کی بناء پر ان کی شان کے بھی خلاف ہے اور وہ بات بھی ہے جو اوپر ذکر کی گئی یعنی ان پر بدگمانی بھی ہوتی ہے اور رؤساء پر یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپیہ اپنی جیب سے دیگا تو اوروں سے پچیس لے سکتا ہے اور یہ رؤساء کر سکتے ہیں۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ اس کام کو نہ کریں۔ پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے۔ (باقی آئندہ)

ملفوظات

ملقب بہ

حسن العزیز

(از حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی)

۴۵۶ - احقر کے گھر کے لوگوں نے حضرت کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزہ دعوت کے ارادہ کیا حضرت نے منع فرما دیا۔ احقر کو ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیئے۔ دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی۔ اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچا یئے۔ (احقر بوضع تنخواہ طویل رخصت لے کر حاضر ہوا ہے اور توسیع کرانے کا ارادہ ہے) احقر نے عرض کیا کہ کم از کم تنہا حضور کی دعوت کی تو اجازت ہونی چاہیئے۔ فرمایا کہ اس جلسہ میں یہ اجازت لینا نہیں چاہیئے تھی۔ کیونکہ اس وقت دوسری قسم کا اثر ہے۔ اگر جی چاہتا تو پھر کسی موقع پر پوچھ لیتے اور تنہا میری دعوت میں اسی کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جائے یا کوئی خاص اہتمام کیا جائے اس کی یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ اگر گھر میں کوئی خاص چیز اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیج دی جائے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھ دیں کوئی خاص تکلف کرنے کی ضرورت نہیں یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جائے اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت جو آپ کے یہاں سے کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا ابھی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب ہی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کر دیں اگر کوئی چیز بھیجی جائے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھا لیں مع اس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو۔ یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھا لیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کر دیں آپ ایک شخص کے اندازہ

سے زیادہ نہ بھیجیں ۔ پھر فرمایا لوہاری میں ایک دوست نے میری دعوت کی بہت اصرار کر کے لے گئے میں سمجھا میں اکیلا ہوں گا جا کر کھالوں گا وہاں جا کر دیکھا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت ہے میرے اوپر سخت بار ہوا اگر خیر میں چپ ہو رہا چلتے وقت انھوں نے ایک جوڑا اور دس روپیہ پیش کئے میں نے کہا یہ جوڑا کیسا انھوں نے کہا کہ شادی میں آپ کے لئے بنایا ہے میں نے کہا کہ کیا میں نائی ہوں کہ شادی میں جوڑا لوں روپوں کے بابت بھی کہا کہ میں ہرگز نہ لوں گا تم نے اتنا روپیہ کھانے میں برباد کر دیا مجھے نہ کھایا ہوا ہی برا معلوم ہوتا ہے مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں دعوت بھی منظور نہ کرتا پھر فرمایا ہمیں تو وہ طرز دعوت کا پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تھا ان کی دعوت ایک طالب علم نے کی ۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمہارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے (اُن کا کھانا کہیں مقرر تھا) انھیں تو مولانا کو کھلانا منظور تھا اس لئے مجبوراً انھوں نے اس شرط کو منظور کر لیا ۔ جو کھانا ان کے لئے آیا وہی مولانا کے سامنے لا کر رکھ دیا مولانا نے کھا لیا ۔ پھر فرمایا اس طرز سے دوسرے کا بھی فائدہ کہ خرچ سے بچا اور انتظام کے جھنجھٹ سے بچا اور اپنا بھی فائدہ ہے کہ سستا پیر ہو گا تو بہت آدمی دعوت کیا کریں گے اور اگر مہنگا ہوا تو جب پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھلانے کی توفیق ہو جب کہیں پیر صاحب کی دعوت کریں ۔ اس طرح جناب کہیں برسوں میں جا کر دعوت نصیب ہوا کرے اور اگر سستا ہو تو دعوت کرنا مشکل ہی کیا ہے آج یہاں کل وہاں روز دعوت ہوا کرے تین سو ساٹھ دن دعوت ہی میں گزر جائیں میں کہتا ہوں جو سنت کے موافق طریقہ ہو گا اس میں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے یہ طریقہ بالکل سنت ہے حضور کی دعوت ایک صحابی نے کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہو لیا جب میزبان کے دروازہ پر پہنچے تو ٹھٹک گئے اور میزبان سے دریافت فرمایا کہ بھائی ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آوے ورنہ لوٹ جائے میزبان نے بخوشی منظور کر لیا اس پر لوگ آج کل خیال فاسد کرتے ہیں میں اس کے متعلق تقریر کرتا ہوں وہ بہت غور کے قابل ہے لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بے بلائے دو دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقوے کی حفاظت کے لئے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور تمسک کرتے ہیں اس حدیث سے حالانکہ یہ بالکل قیاس

مع الفارق ہے جہاں یہ دیکھا کہ حضور نے اپنے ساتھی کے لئے پوچھ لیا تھا یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضور نے اُن میں مذاق کیا پیدا کر دیا تھا تم نے تو وہ مذاق اول پیدا کیا ہوتا وہ مذاق کیا تھا آزادی کا تھا ایک نظیر اس امر کی کہ حضور نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس قدر پیدا کر دیا تھا بیان کرتا ہوں وہ اتنی بڑی نظیر ہے جس کے قریب بھی آجکل نہیں مل سکتی۔ مسلم میں ہے کہ ایک فارسی تھا شوربہ نہایت اچھا پکاتا تھا۔ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج شوربہ میں نے بہت اچھا پکایا ہے چل کر نوش فرمائیے۔ حضور نے ارشاد فرمایا مگر اس شرط سے کہ عائشہ رضی بھی شریک ہوں گی وہ کہتا ہے نہیں حضرت عائشہ رضی نہیں۔ غور کیجئے حضرت عائشہ رضی حضور کی محبوبہ ان کے لئے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا یہ مذاق کس کا پیدا کیا ہوا تھا حضور ہی کا اسی مذاق کے بھروسہ پر حضور نے میزبان سے اپنے ساتھی کے لئے پوچھا تھا حضور کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کرے گا نہیں تو صاف انکار کر دیگا آجکل یہ بات کہاں۔ پس جو شخص ہم سے مغلوب ہو اور جس کی بابت یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کرے گا آزادی سے انکار کر دے گا اُس سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دیدے تو وہ اجازت عند الشرع ہرگز معتبر نہیں نہ اُس پر عمل جائز ہے ہاں تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نہیں حضور نے فرمایا کہ حضرت عائشہ نہیں تو ہم بھی نہیں دعوت میں شرط لگانے کا اختیار ہے اور داعی کو بھی اختیار ہے کہ وہ اُس شرط کو چاہے منظور کرے یا نہ کرے غرض دونوں کو اختیار ہے۔ وہ ایسے بزرگ اور آزاد تھے کہ نہیں تو نہ سہی اور چلدیئے تھوڑی دور چل کر پھر لوٹے محبت کا جوش ہوا حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت کھانا بہت اچھا پکا ہے چل کر نوش فرمایئے۔ حضور نے فرمایا کہ اس شرط سے کہ عائشہ بھی ہوں کہنے لگے عائشہ رضی تو نہیں حضور نے فرمایا اچھا تو ہم بھی نہیں۔ پھر لوٹ گئے تیسری بار پھر آئے اور پھر عرض کیا حضور نے پھر وہی فرمایا کہ عائشہ رضی بھی۔ اب کی بار انھوں نے کہا کہ آپ کی یہی مرضی ہے تو اچھا عائشہ رضی بھی اس موقعہ پر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میری ایک رائے اس میں ہے وہ یہ کہ شوربہ غالباً تھوڑا تھا ان کا جی چاہتا تھا کہ حضور تنہا پیٹ بھر کر کھالیں اگر حضرت عائشہ بھی ہوئیں تو حضور کا پیٹ نہ بھرے گا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ حضور کی یہی خوشی ہے اخیر میں راضی ہو گئے انھوں نے سوچا کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے میرا جی چاہتا تھا کہ حضور پیٹ بھر کر کھائیں اب یہی بھوکا رہنا چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ اُس وقت

کی حجاب نازل نہیں ہوا تھا حضورؐ آگے آگے حضرت عائشہؓ پیچھے پیچھے تشریف لے گئیں حضورؐ قبل
پوچھنے کے یہ مذاق پیدا فرما چکے تھے کوئی مولانا صاحب یا شاہ صاحب جو اس حدیث سے تمسک
کرنا چاہتے تھے پہلے یہ مذاق تو پیدا کر لیں ورنہ قبل اس کے پوچھنا بھی حرام آجکل تو بس اندھا دھند
ہو رہا ہے کسی کے یہاں دعوت ہوئی تو اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے گئے کسی نے اعتراض کیا تو
کہدیا کہ صاحب اجازت تو لے لی ہے کسی کو داعی کی طرف سے سفر کے لئے زاد راہ دیا جاتا ہے
تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اکثر تو اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے حالانکہ اس کو واپس
کرنا چاہیئے ورنہ خیانت ہے کیونکہ وہ اُس کی ملک نہیں کیا جاتا بلکہ خرچ کرنے کے لئے بطور
امانت کے دیا جاتا ہے اگر کسی نے بہت ہی ہمت کی تو یہ کہا کہ جناب اتنا بچ گیا ہے اب جیسا
تم کہو اس کا جواب تو یہی ہے کہ آپ ہی خرچ کر لیجئے بڑی آفت برپا ہے واپس ہی کیوں نہ
کر دیا جائے یہ ساری خرابی حُبِ دنیا کی ہے مال کی محبت رگ و ریشہ میں گھس رہی ہے
ذرا سا بہانہ چاہیئے اباحت کے لئے پہلے تو یہ فتویٰ تھا کہ اصل اشیا میں اباحت ہے جب تک
کہ حرمت ثابت نہ ہو اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ کہنا چاہیئے کہ اصل اشیا میں حرمت
ہے جب تک کہ اباحت ثابت نہ ہو یہ فتویٰ دینا چاہیئے تب کہیں جا کر لوگ حرام سے بچیں گے
بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے ایک اور واقعہ اس زمانہ کے مذاق آزادی کا یاد آیا حضرت بریرہ
آزاد کردہ لونڈی تھیں حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں بعد آزاد ہو جانے کے اُن کو اختیار
تھا کہ حضرت مغیث کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں چنانچہ انھوں نے نکاح میں رہنا پسند نہیں
کیا حضرت مغیث کو اُن کے ساتھ بہت محبت تھی گلیوں میں پریشان پھرا کرتے تھے حضور
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی حالت پر رحم آیا حضور بریرہ کے سامنے سفارش لائے
کہ اے بریرہ مغیث سے نکاح کر لو دیکھئے سفارش کی یہ حقیقت ہے جو آگے معلوم ہوتی
ہے حضرت بریرہ پوچھتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ حکم ہے یا سفارش عجیب گہرا سوال کیا حضورؐ
نے فرمایا کہ سفارش ہے انھوں نے کہا میں نہیں قبول کرتی آپ خاموش ہو گئے اب کوئی
مرید پیر سے کہہ تو دے کہ میں آپ کی سفارش نہیں قبول کرتا تو غضب ہو جائے پیر خود
ہی کہدے کہ مرتد ہو گیا آجکل تو پیروں کو چاہیئے کہ سفارش ہی نہ کیا کریں جب وہ بیچارے
دبتے ہیں تو اُن کو اور بھی زیادہ کیوں دبایا جائے اب عام عادت ہے کہ اگر کوئی ان
مفاسد کو دیکھ کر سفارش کرنے سے انکار کر دے تو الزام دیتے ہیں کہ زبان سے بھی نفع

نہیں پہنچایا جاتا بڑے کنجوس ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں مال خرچ کرنا تو آسان مگر زبان ہلانا سفارش میں جہاں یہ وہم ہو کہ ہمارا دباؤ ماننے کا موت ہے کیونکہ یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم بیچارے کی کیا مصلحت فوت ہو کیا اثر ہو ایک صاحب سفارش لکھانے آئے میں نے سفارش کی مذمت بھی کی باتیں بھی سنائیں مگر پھر بھی انھوں نے یہ کہا کہ لکھ دیجیے میں مغلوب ہو گیا میں نے کہا تم ایک رقعہ میرے نام لکھ لاؤ جس میں سفارش کی درخواست ہو میں اُس پر لکھ دوں گا میں جب سفارش کرتا ہوں تو ایسا ہی کرتا ہوں تاکہ اُس بیچارے مخاطب کو معلوم تو ہو جائے کہ کاتب کی ابتدائی رائے نہیں ہے دوسرے کی درخواست پر لکھا ہے غرض حد تو معلوم ہو کہ آیا سفارش کرنے والا ایسا شخص ہے کہ اُس کو خود کوشش ہے یا محض دوسرے کے کہنے کا اثر ہوا چنانچہ اُنھوں نے رقعہ لکھ دیا میں نے اس پر لکھ دیا کہ انھوں نے مجھ سے سفارش کی یہ درخواست کی ہے اگر آپ کی کوئی مصلحت بھی فوت نہ ہوتی ہو اور آپ کی وضع کے بھی خلاف نہ ہو اور کسی قسم کا بار بھی نہ ہو تو یہ صاحب آپ کے ممنون ہوں گے اور دعا کیا کریں گے میں یہ نہیں لکھتا کہ میں ممنون ہوں گا یہ لکھتا ہوں کہ یہ ممنون ہوں گے میں کیوں ممنون ہوں۔ پھر میں نے لفافہ پر بھی لکھ دیا کہ یہ صاحب قیام طعام کا بند و بست خود کریں گے آپ تکلیف یا تکلف نہ کیجئے لفافہ پر اس لئے لکھا کہ یہ صاحب بھی دیکھ لیں ورنہ جناب یہ بھی ہوتا ہے کہ سفارش کا خط لے لیا اور پڑے ہیں مہینوں روٹی کھا رہے ہیں لوگوں کو کچھ سہارا چاہیئے یوں ہو رہے ہیں قصے۔ اس قدر بے حیا بے مروت بننا پڑتا ہے کچھ پوچھئے نہیں اس وقت تو اُن کو گراں ہوا میرا یہ معمول اور یہ عادت مگر میں نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے اگر فرض کر دو کہ میرا خط لے کر کوئی تمہارے پاس پہنچتا تو تم پر کیا اثر ہوتا اور اس طریق کا جو میں نے اختیار کیا کیا اثر ہوتا یقیناً معلوم کر دگے کہ اس طریق میں نہایت گرانی ہوتی اور میرے طریق میں نہایت سہولت اور آزادی رہتی اس طرح سے سمجھ میں آئیگا میں تو یہ میں بھی یہاں تک سوچتا ہوں کہ بہت زیادہ جوش محبت سے تو نہیں دیا گیا عام طور سے اخلاص کی کمی تو ہدیہ قبول کرنے کی مانع ہوتی ہی ہے میرے یہاں اخلاص کی زیادتی بھی منجملہ موانع کے ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تو جوش محبت میں کچھ نہیں سوجھتا۔

جب جوش ٹھنڈا ہو گا تب حساب کتاب کا ہوش آئے گا کہ دس تو پیر جی کو دیدیئے اس لئے اگر کسی کو پانچ کی گنجائش ہوئی تو یہ کرتا ہوں کہ ڈھائی ہی لیتا ہوں اس پر بھی بفضلہ خوب

ہے۔ جو قسمت کا ہے وہ کہیں جا ہی نہیں سکتا ہم لوگوں کا یقین ہی خراب ہوگیا ہے۔ یوں سمجھتے ہیں
کہ اگر واپس کر دیں گے تو پھر کہاں ملے گا میں کہتا ہوں قسمت کا پھر بھی مل کر رہتا ہے اور جو نہیں
وہ قسمت کا تھا ہی نہیں ایک صاحب نے سو روپیہ مدرسہ کے لئے ایک شخص کی طرف سے
بھیجے ہیں میں نے ابھی خرچ نہیں کئے ہیں میں نے اُن سے پوچھا ہے کہ تم نے ترغیب تو نہیں دی
تھی اگر بلا ترغیب دیئے ہوں گے تو رکھے جائیں گے ورنہ واپس کر دیئے جائیں گے جواب
آنے تک وہ روپیہ امانت رکھا ہوا ہے وہ سچے آدمی ہیں اگر ترغیب دی ہوگی تو صاف
لکھ دیں گے کہ ہاں میں نے ترغیب دی تھی اگر ایسا ہوا تو میں واپس کر دوں گا اور یہ لکھوں گا کہ
تم سے کس نے ترغیب دینے کے لئے کہا تھا کہ کیا تم ہمارے گرگے ہو کہ چھٹے پھرتے ہو پھر فرمایا
کہ اس طرح کرنا بڑی ذلت اور بدنامی کی بات ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے کوئی
نہ جانتا ہو اس کے لئے کہنے کا بھی مضائقہ نہیں اور جب سب آدمی جانتے ہیں پھر ترغیب وغیرہ
کی کیا ضرورت ہے جب بھوکوں مرنے لگیں گے لوگوں کو خود رحم آئے گا میں ابھی قابل رحم
نہیں احقر نے عرض کیا کہ بھوک کا پتہ چلنا بھی تو ضروری ہے لوگوں کو بھوک کا حال کیسے معلوم ہو
فرمایا کہ جناب بھوک کہیں چھپی رہتی ہے ع صورت بیں حالت مپرس + اب دیکھئے میں جو
اس قدر بلند آواز سے بول رہا ہوں صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ میں روٹیاں موجود ہیں۔
وہی یہ شور مچا رہی ہیں یہ سارے نخرے روٹیوں کی بدولت ہیں (ہنس کر فرمایا) دیکھئے میں
آپ سے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہوں روٹیاں بھی کھانے کو ہیں اور میں تو اذان ہی دے رہا
ہوں آپ تکبیر بھی نہیں کہتے۔ پھر فرمایا کہ حضرت دین کی حفاظت بلا اس کے نہیں ہو سکتی
ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہم کو اس دین کی
عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے اگر اُس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے
گڑھی میں ایک خاں صاحب تھے بڑے بوڑھے آدمی تھے بڑی شفقت فرماتے تھے وہ
مجھکو کچھ دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ لے لیتا میں سمجھتا تھا کہ یہ تو باپ کے برابر ہیں مجھ کو اُن کا
دینا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو دے رہے ہوں اُن کے انتقال کے بعد اُن
کے بیٹوں نے بھی وہی برتاؤ کرنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں نہیں لے سکتا کیونکہ
تم میرے برابر کے بھائی ہو میں تم سے اس وقت لوں جب تم کو بھی کچھ دوں وہ ماشاء اللہ
نہایت خوش فہم و شائستہ ہیں انھوں نے کہا کہ اچھا اب کے لے لو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں

کہ پھر پھر نہ دیں گے میں نے لے لیا اُس کے بعد اُنھوں نے پھر کبھی نہیں دیا۔ اب یہ کرتے ہیں کہ کبھی مچھلی پکا کر بھیجدی کبھی شکار کا گوشت بھیجدیا اُس میں کوئی ایسی بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے شرم آتی ہے بات یہ ہے کہ میں بھی بوجہ اس کے کہ خاں صاحب میرے والد کے دوست تھے اپنے آپ کو خاں صاحب کے لڑکے کے برابر سمجھتا تھا اور یہی ان کے لڑکے ہیں اگر علاقہ عقیدت مندی کا یا بیعت کا ہوتا تو وہ دوسری بات تھی اُن کا علاقہ تو محض اپنے باپ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ تو بھائی کے درجہ میں ہو گئے اور حیثیت دوسری ہو گئی۔

(پھر فرمایا) اب کیا میری آمدنی کم ہو گئی۔ میں نے دیکھا ہے جس روز میں نے کوئی ہدیہ واپس کیا ایک دو زیادہ کر کے کہیں نہ کہیں سے خدا نے دلوا دیئے۔ تو میرا دماغ اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں پورا وثوق ہوتا ہے الحمد للہ کہ ضرور آئے گا اس لئے آسان ہو جاتا ہے لوٹانا پھر فرمایا اب تو یہ باتیں سخت معلوم ہوتی ہیں کچھ دن بعد جب لوگوں کو منافع نظر آئیں گے تب قدر ہو گی اور اب بھی نظر آنے لگے ہیں بہتوں کو۔ اور حضرت میں نے احباب سے یہ بھی کہہ رکھا ہے یہاں آئیں تو دینے کی پابندی نہ کریں۔ ورنہ جناب مہینوں بلکہ سالہا سال بھی توفیق ملاقات کی نہ ہو کیونکہ پہلے کچھ انتظام کرو تب چلو اب یہ ہے جب جی چاہے آؤ اور بے فکر ہو کر آؤ اور چاہے عمر بھر بھی کچھ نہ دو لوگوں میں ایسی شکل ہو رہی ہے کہ کھانا اور کھلانا۔ کھانے والے جاتے وقت حساب کرتے ہیں کہ چار دن میں اتنا کھایا ہو گا آٹھ آنہ بڑھا کر دینا چاہئے۔ ذلیل حالت ہے میں نے یہ قصہ ہی نہیں رکھا باستثناء بعض خصوصیات کے عام طور سے کھانا کھلانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا۔ ہم بھی بے فکر تم بھی بے فکر یہ حساب کتاب بھٹیاروں کا سا کیا اس پر بھی لوگ دیتے ہیں گو شرم تو آتی ہے لیکن چونکہ خلوص ہوتا ہے لے لیتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ خدا خلوص دے جہاں خلوص ہوتا ہے وہاں فلوس خود بخود آ جاتا ہے۔ کمی تو اخلاص کی ہے عرض کیا گیا کہ جی چاہتا ہے کہ حضور کا مجموعی طریقہ قلم بند ہو کر محفوظ ہو جائے تو بہت نافع ہو آئندہ زمانے کے لوگوں کے لئے بھی فرمایا کہ جی میرا کیا طریقہ ہے دین کا طریقہ ہے میں نے ایجاد نہیں کیا الحمد للہ مجھے اس کا بہت رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے۔ ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو۔ وہ یہ کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھے

زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ کہتا تھا کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے اس لئے میں انکار کر دیتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ محض طبعی معذوری ہے سنت میں اس کی اصل نہیں ہے۔ بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو قاصر سمجھتا تھا اس واپسی میں مگر واپس کر دیتا تھا لیکن الحمدللہ میرا وہ شبہ جاتا رہا جیسے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس علت عدم رد کی خفیف المحل ہونے کو تبلایا میں نے کہا الحمدللہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے۔ میں نے احتیاطاً اور دل سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے یا نہیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے نفس نے یہ مطلب نہ تراشا ہو مگر وہ کہنے لگے کہ اجی صاف دلالت ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ بھائی نے چاہا کہ میں کچھ ماہوار تمہارے لئے مقرر کر دوں سمجھدار آدمی ہیں بے تکلف کہدیا میں نے لکھا کہ اس میں خرابی ہے اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں اللہ پر ہے اور اگر مخلوق پر بھی ہے تو کسی مخلوق معین پر تو نہیں ہے اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو بریلی ہی میں دل پڑا رہے گا۔ اول تو حساب لگانا پڑے گا کہ مارچ ختم بھی ہو گیا یا نہیں مئی ختم ہوئی یا نہیں جب پہلی تاریخ ہو گی تو یہ خیال ہو گا کہ آج تنخواہ وصول ہو گی آج روپیہ چلا ہو گا آج راستہ میں ہو گا آج آرہا ہو گا۔ نہ آیا تو پیچھے پریشانی کہ نہ معلوم کیا وجہ ہو گئی یہ جھگڑا تو یہاں ہو گا۔ اب تو یہ ہے کہ آ کو نہ تا ہے۔ من حیث لا یحتسب کی شان تو نہ رہے گی کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے حق تعالیٰ دیتے ہیں۔ دوسرے میں نے یہ لکھا کہ برا ماننے کی بات نہیں گو تمہاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپے ہے لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچ سو کا خرچ پڑ جائے گا اس وقت تم کو گرانی ہو گی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت جوش محبت کا نہیں رہتا۔ وہ بڑے سمجھدار آدمی ہیں انہوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کی طرف لکھتے کے وقت مجھکو توجہ نہ ہوئی آپ کے خط کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں آپ کے خط کا ہر ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے میں رجوع کرتا ہوں اور واپس لیتا ہوں اپنی رائے کو بعد کو انہوں نے کہا کہ آخر اور لوگ بھی

تو پیش کرتے ہیں اگر میرا جی چاہے تو مجھے خدمت سے کیوں محروم رکھا جائے میں نے کہا کہ کیا اور لوگ متعین کرتے ہیں جیسا کہ تم کرنا چاہتے تھے۔ غیر متعین طور پر کچھ پیش نہ کر دیں وعدہ کرتا ہوں کہ لے لوں گا پھر جب میں بریلی جاتا تھا کبھی ٹکٹ لے دیتے تھے کبھی پچیس کبھی بیس روپیہ دیدیئے کبھی کچھ کپڑے بنوا دیئے۔ اور کبھی کچھ بھی نہیں۔ سمجھ گئے وہ میرے مذاق کو اس کے موافق عمل کیا۔ محبت کی بات تو یہی ہے پھر میں ایسا کرتا کہ کبھی کبھی قصداً گنّی بھائی کے پاس امانت رکھوا دیتا تاکہ انھیں اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس کے پاس کافی سرمایہ موجود رہتا ہے۔ میرے گھر میں کہا کرتی ہیں مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ ذرا سفر میں اچھی حیثیت سے جایا کرو کپڑے بھی اچھے ہوں جوتہ بھی نیا ہو ایک آدھ جوتہ اور بھی ساتھ بندھا ہو۔ میں نے کہا کیوں مجھے کسی کو دکھلانا تھوڑا ہی ہے انھوں نے کہا کہ انما الاعمال بالنیات میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر لوگ تمھیں خستہ حالی میں دیکھیں گے تو انھیں فکر ہوگی کہ آج کل تنگی میں ہیں کچھ دینا چاہیئے اور اگر کپڑے بھی اچھے اور جوتہ بھی نیا ہوگا تو سمجھیں گے کہ کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے مسلمانوں کو بے فکر کرنے کے لئے اچھی حیثیت بنا کر سفر کیا جائے تو عبادت ہے ایسی لطیف بات کہی وہ دیکھ کر خوش ہوں گے کہ آرام میں ہیں۔ بے فکر رہیں گے۔ جب سے میں یہ کرتا ہوں کہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس بندی خدا میں ذرا بھی حرص نہیں ورنہ بڑی مصیبت ہوتا حضرت ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ لینے میں اگر میں کبھی اپنے معمول کو بھول جاتا ہوں تو وہ ٹوکتی ہیں کہ تمھارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا فرمایا کہ میں اس واسطے یہ سب باتیں سنا رہا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی کو کوئی بات پسند آئے تو تقلید کی جائے کیونکہ علمی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے واقعات سن کر بہت اثر ہوتا ہے کہ بھائی ایسا ہو بھی رہا ہے۔ منشی محمود الحق صاحب وکیل ہردوئی کے معہ قاضی محمد مصطفےٰ ڈپٹی کلکٹر کے آئے تھے بہت اچھے آدمی ہیں دین دار آدمی ہیں۔ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے ہیں وہاں ماسٹر بھی تھے۔ بی۔ اے ایل ایل ہیں شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں ہیں۔ مجھے تو نقل نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر نقل بھی کر دوں تو کونسا بڑا کمال ثابت ہو جائے گا کیونکہ میں چیز ہی کیا ہوں۔ انھوں نے ایک بات کہی کہ دو باتیں اس وقت تک کم تھیں ظاہر نہیں کی تھیں کتابوں میں بھی

کہیں پتہ نہ تھا۔ ایک تو فن سلوک کے اصول۔ یہ کہیں نہیں سنے جاتے تھے اس ترتیب السالک نے زنام کتاب جس میں ذاکرین شاغلین کے خطوط معہ جوابات حضرت مولانا درج ہیں، بالکل صاف کر دیا۔ ایک معاشرت اور معاملات پر گفتگو کسی نے نہیں کی۔ انھوں نے اس کی وجہ بھی بتائی کہ اس لئے گفتگو کی ہمت نہیں ہوتی کہ لوگ کہیں گے کہ تم خود ہی کیا کر رہے ہو الحمد للہ ایک جز دین کا مخفی تھا اب ظاہر ہوا۔ جناب شیخ معشوق علی صاحب بھی جو ہمارے حضرت کے خلفا میں سے ہیں حاضر مجلس تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی عملی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے ایک بار حضور کے ساتھ میں اور (احقر کا نام لیا کہ) یہ ریل کے سفر میں تھے کھانا کھانے میں ایک بوٹی گر گئی تھی میں نے اس کو تختہ کے نیچے سرکا دیا حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ کیا بوٹی گر گئی ہے چنانچہ وہ بوٹی حضرت نے اٹھوائی اور فرمایا کہ اس کو دھو لیجئے میں کھا لوں گا پھر وہ بوٹی خواجہ صاحب (احقر) نے دھو کر خود ہی کھا لی وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ کبھی دسترخوان پر سے ایک ریزہ بھی زمین پر گر گیا ہے تو اس کو بھی اٹھا کر کھا لیا ہے عملی تعلیم کا اتنا اثر ہوتا ہے پھر جناب شیخ صاحب ممدوح نے احقر سے فرمایا کہ آپ نے بوٹی کا واقعہ بھی ملفوظات قلمبند کر لیا ہے احقر نے عرض کیا کہ (اشارہ کے طور پر) میں نے لفظ بوٹی لکھ لیا ہے بعد کو مفصل کر لوں گا حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ بس ایسی مختصر نویسی بہت اچھی ایک دن لکھ لیا بوٹی اور ایک دن لکھ لیا روٹی۔

(از دفتر اول)

کلید مثنوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

سوال کردن رسول از امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرد گفتش کائے امیر المؤمنین	جاں ز بالا چوں درآمد بر زمین
مرغ بے اندازہ چوں شد در قفص	گفت حق بر جان فسوں خواند و قصص
بر عدمہا کان ندارد چشم و گوش	چوں فسوں خواند ہمی آید بجوش
از فسونِ او عدمہا زود زود	خوش معلق می زند سوئے وجود
باز بر موجود افسونے چو خواند	زود او را در عدم دو اسپہ راند

یعنی اس شخص نے آپ سے سوال کیا کہ روح عالم بالا (یعنی عالم امر) سے زمین (عالم سفلی یعنی عالم خلق) پر کس طرح آگئی (یعنی مجرد کو جسم مادی سے کیسے تعلق ہوگیا حالانکہ دونوں میں مناسبت نہیں) اور یہ طائر غیر مقداری (کیونکہ عالم امر مقدار سے منزہ ہے) قید (جسم) میں کیسے آگیا آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے روح پر افسون و قصہ پڑھ دیا مراد اس افسون سے کلمۂ کن ہے خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ یہ تعلق روح کا جسم کے ساتھ تکوینی و اضطراری ہے اور وہ مناسبت پر موقوف نہیں۔ قصدی اور اختیاری نہیں جس میں مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے آگے اس کلمۂ کن اور قضائے خداوندی کے تصرفات و تاثیرات کا بیان ہے کہ) معدوم چیزوں پر جن کے آنکھ کان بھی نہیں ہیں جب حق تعالیٰ وہ فسون

پڑھ دیتے ہیں تو وہ جوش میں آکر اس افسون کے اثر سے جلدی جلدی اُچھلنے کودنے
(لیئے بلا کراہت) حالت وجود میں آجاتی ہیں (کلمۂ کن سے معدومات کا موجود ہونا ظاہر
ہے) پھر موجودات پر وہی افسون جہاں پڑھا اور فوراً عدم کی طرف راہی ہوئے دیکھیے وہ
گھوڑدوں والا جلدی چلتا ہے یہ تصرف تو تمام کائنات کے لئے عام اور مشترک ہے اور بعض
تصرفات خاص خاص ہیں جو ہر شے میں مختلف ہیں آگے اس کا بیان فرماتے ہیں۔

گفت در گوش گل و خندانش کرد	گفت با سنگ و عقیق کانش کرد
گفت با جسم آیتے تا جان شد او	گفت با خورشید تا رخشاں شد او
باز در گوشش دمد نکتۂ مخوف	در رخ خورشید افتد صد کسوف
گفت با نے تا کہ شکر گشت او	گفت با آبے و گوہر گشت او
تا بگوش ابر آں گویا چہ خواند	کو چو مشک از دیدۂ خود اشک راند
تا بگوش خاک حق چہ خواندہ است	کو مراقب گشت و خامش ماندہ است

مخوف یعنی مخوف منہ یعنی اللہ تعالیٰ نے گوش گل میں وہ افسون کہدیا اور اُس کو خنداں کر دیا کیونکہ
اُس کا خنداں ہونا بحکم تکوینی خداوندی ہے اسی طرح باقی امور آیندہ) اور وہ افسون پتھر سے
فرما دیا اور اُس کو عقیق کان بنا دیا جسم (بے روح) سے کوئی بات کہدی جس سے وہ جان
(دار) بن گیا اور خورشید سے کچھ کہدیا جس سے وہ درخشاں ہو گیا پھر (دوسرے وقت) اس
کے کان میں ایک خوفناک نکتہ پھونک دیتے ہیں جس سے خورشید بے نور ہو جاتا ہے وہ بات
نے سے فرما دی جس سے وہ (پُر) شکر ہو گیا۔ پانی سے کہدیا جس سے وہ موتی بن گیا ابر
کے کان میں (اس متکلم جل شانہ) نے کیا چیز پڑھ دی ہے جس سے وہ مشک کی طرح اشک ریز
ہو گیا۔ زمین کے کان میں کوئی ایسی بات فرما دی جس سے وہ مراقب درویش کی طرح خاموش رہ گئی۔

در تردد ہر کہ او آشفتہ است	حق بگوش او معما گفتہ است
تا کند محبوسش اندر دو گمان	آں کنم کاں گفت با خود ضد آں

هم ز حق ترجیح یابد یک طرف
زاں دو یک را بر گزیند زاں کنف

گر نخواہی در تردد ہوش جان
کم فشار ایں پنبہ اندر گوش جان

تا کنے فہم آں معماہاش را
تا کنے ادراک رمز و فاش را

پس محل وحی گردد گوش جان
وحی چہ بود گفتنی از حس نہاں

گوش جان و چشم جان جز ایں حس ست
گوش عقل و گوش حس زیں مفلس ست

(یہاں بھی حق تعالٰے کے ایک تصرف کا بیان ہے) یعنی جو شخص کسی تردد میں پریشان ہو رہا ہے (گویا حق تعالٰے نے اُس کے کان میں کوئی معما کہدیا ہے (یعنی اس امر کی دونوں جانبین مساوی درجہ میں اُس کے ذہن میں القاء کر دی ہیں اس سے تردد میں گرفتار ہو گیا۔ جیسے معما سننے والا احتمالات مختلفہ میں پریشان ہو جاتا ہے اور القاء کی حکمت یہ ہوتی ہے) تاکہ اُس شخص کو دو گمانوں میں محبوس کر دیں کہ اس طرح کروں جو فلانے نے کہا ہے یا اس کے خلاف کروں بعد اس کے اگر ایک جانب کو ترجیح ہو جاتی ہے وہ بھی جانب حق تعالٰی سے ہے کہ ان دونوں شقوں میں سے ایک شق کو جس کنارہ پر ہو اختیار کر لیتا ہے (اب آگے مولانا بمناسبت لفظ تردد کے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ) اگر تم اپنے باطن کو ترددات (جہل و حجاب) میں رکھنا نہ چاہو تو اس پنبہ (التفات بما سوی اللہ) کو گوش باطن میں مت بھرو تاکہ حق تعالٰی کے اسرار کو سمجھنے لگو اور سب خفی و جلی (حقائق) پر مطلع ہونے لگو پس گوش باطنی محل وحی (یعنی الہام) ہو جانے لگے (چنانچہ خود تفسیر فرماتے ہیں کہ) وحی سے مراد یہی حواس باطنی سے کلام جھنے لگتا ہے (آگے حواس باطنی کا اثبات فرماتے ہیں کہ باطن کے چشم و گوش ان حواس ظاہری کے علاوہ ہیں اور اس ظاہری عقل و حواس کے کان ان حقائق سے بے بہرہ ہیں۔

لفظ جبرم عشق را بے صبر کرد
وانکہ عاشق نیست حبس جبر کرد

ایں معیت باحق ست و جبر نیست
ایں تجلی مہ است و ابر نیست

ور بود ایں جبر جبر عامہ نیست
جبر آں امارۂ خود کامہ نیست

جبرِ بے اختیاری ہیم در جبرم مضاف الیہ عشق۔ یہاں سے انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف اوپر کے اشعار میں بیان تھا تصرفات قدرت الٰہیہ کا جس سے مخلوقات کا ان تصرفات میں بے اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے اسی بے اختیاری کو لفظ جبر سے تعبیر فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ (اس بے اختیاری (مخلوقات) کے مضمون نے میری کیفیت عشقیہ کو بے تاب کر دیا (اور اس کو جوش میں لے آیا کیونکہ اس سے اپنے عاجز و درماندہ ہونے اور محبوب حقیقی کے مختار مطلق ہونے کا استحضار ہو گیا جس سے کیفیت عشقیہ جوش زن ہو گئی کیونکہ معرفت سے عشق بڑھتا ہے) اور جو شخص صاحب عشق نہیں (اور اطاعت سے بھاگنے کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے) اس کو (اس مضمون نے) محبوس جبر (متعارف) کر دیا اور وہ اس مضمون سے بوجہ کج فہمی کے یہ سمجھا کہ جب سب مخلوق بے اختیار ہیں تو ہم معاصی و شہوت پرستی میں مجبور رہیں اور یہ سمجھ کر مبتلائے عقیدہ فاسدہ ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے سے عبد کے اختیار کی مطلقاً نفی لازم نہیں آتی بلکہ اختیار تام و قدرت مستقلہ کی نفی لازم آتی ہے اور توجہ امر و نہی اس پر موقوف نہیں بلکہ اختیار ضعیف بھی کافی ہے جس کو علمائے اصول و کلام نے صحت اسباب و سلامت آلات سے تعبیر کیا ہے) اور ایسی بے اختیاری (کا اعتقاد جس کا اوپر ذکر ہوا ہے واقع معیت بحق (کا اعتقاد) ہے (کہ اس سے استحضار عموم تصرف الٰہی کا ہوتا ہے اور حقیقت معیت کی یہی استحضار ہے) اور یہ اعتقاد مذکور) جبر نہیں (جس کا اعتقاد مذموم ہے) اور یہ (اعتقاد مذکور اپنے حق اور نورانی ہونے میں مثل تجلی ماہ ہے) تاریک و باطل میں مثل ابر نہیں ہے (جس سے عوام الناس اور نفس طاعات میں حیلہ جوئی کیا کرتا ہے خلاصہ یہ کہ جبر مذموم نہیں بلکہ جبر محمود ہے جو واقع میں جبر نہیں محض مجازاً اس پر لفظ جبر بول دیا جاتا ہے۔

جبر را ایشاں شناسند اے پسر	کہ خدا بکشاد شان در دل نظر
غیب و آئندہ بر ایشاں گشت فاش	ذکر ماضی پیش ایشاں گشت لاش
اختیار و جبر ایشاں دیگر ست	قطرہا اندر صدفہا گوہر ست
ہست بیروں قطرۂ خرد و بزرگ	در صدف درہائے خرد ست و سترگ
طبع ناف آہو ست آں قوم را	از بروں خوں و درونشاں مشکہا
تو مگو کایں نافہ بیروں خوں بود	خوں بود در ناف مشکیں چوں شود

تو مگو کاین مس بروں بد محتقر	در دل اکسیر چوں گشت ست زر
اختیار و جبر در تو بد خیال	چوں در ایشاں گشت شد نور جلال
نان چو در سفرہ ست آن باشد جماد	در تن مردم شود او روح شاد
در دل سفرہ نہ گردد مستحیل	مستحیلش جاں کند از سلسبیل

(یہاں سے اسی جبر محمود کا بیان ہے کہ اس) جبر کو وہی حضرات پہچانتے ہیں جن کی نظر باطن ہیں اللہ تعالے نے کشادہ کر رکھی ہے (اور اسی نظر باطن کی وجہ سے) بہت سے مخفیات اور آئندہ امور اُن پر منکشف ہو گئے ہیں بعضے بذریعہ تعلیم شریعت کے بعضے الہام و ذوق سے) اور جو اشیاء گذر جانے والی یعنی فنا ہو جانے والی ہیں اُن کا ذکر اُن حضرات کے روبرو محض لاشئے (نا قابل التفات) ہو گیا ہے (بعضے طلب مقصود حقیقی میں سرگرم ہیں دنیا و ما فیہا ان کے نزدیک بے قدر ہے وفسر الماضی بالفانی مرشدی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ) ایسے حضرات کا جبر و اختیار بھی اور ہی طرح کا ہے (عوام کا سا نہیں کیونکہ عوام میں جو بد اعتقاد ہیں اُن کے جبر و اختیار کا بدعت اور مذموم ہونا تو ظاہر ہی ہے اہل حق کا اعتقاد یقیناً ان کے مماثل نہیں اور جو اُن ہیں خوش اعتقاد ہیں اُن کا جبر و اختیار گو درجہ توسط میں ہے اور حق ہے مگر صرف مرتبہ علم میں ہے اس کے ساتھ حال نہیں ہے بخلاف حضرات عارفین کے کہ اپنے عجز اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کا ان کے قلب پر استحضار بھی ہے اس کے بعد تائید اس مضمون کے کہ ان حضرات کا جبر و اختیار اور طرح کا ہے چند مثالیں اس کی بیان فرماتے ہیں کہ ایک ہی شئے ایک محل میں ایک صفت پر ہو دوسرے محل میں دوسری شان کی ہو جائے، مثال اول قطرے صدف میں موتی بن جاتے ہیں صدف سے باہر تو چھوٹے بڑے قطرے ہوتے ہیں اور صدف میں وہی چھوٹے بڑے موتی ہو جاتے ہیں مثال ثانی اس قوم عارفین کی خاصیت ناف آہوئے مشک کی سی ہے کہ ظاہر تو خون ہوتا ہے اندر بالمنا مشک ہوتا ہے سو تم (تعجباً وانکاراً) یوں مت کہو کہ یہ نافہ تو ظاہر خون ہوتا ہے تو نافہ میں رہ کر مشک کیسے ہو جاتا ہے مثال ثالث اسی طرح یوں مت کہو کہ یہ تانبا باہر تو حقیر و کم قیمت تھا اکسیر کے اندر جا کر سونا کیسے بن گیا وکیونکہ جب یہ امور واقع ہیں تو انکار و تعجب کی کونسی گنجائش ہے اسی طرح اختیار اور جبر کو سمجھو کہ تمہارے اندر تو محض ایک خیال تھا

(خواہ خیال باطل ہو جیسا بند عین کا عقیدہ ہے خواہ خیال صحیح ہو مگر ذوق و حال سے خالی ہے) جب وہ جبر و اختیار ان عارفین میں پہنچا تو نور جلال بن گیا (کہ اعتقاداً بھی حق ہے اور حال و ذوق کے ساتھ بھی مقرون ہے) مثال اس کی روٹی جس وقت دسترخوان میں ہوتی ہے جماد محض ہوتی ہے (کہ اس میں مادۂ حیات نہیں ہوتا) اور آدمی کے بدن میں پہنچکر وہ جان تازہ بن جاتی ہے (کیونکہ وہ روٹی ہضم ہوکر اس سے بخار لطیف بنتا ہے جو مادۂ حیات بدن انسانی ہے) دیکھو دسترخوان کے اندر وہ اپنی حالت نہیں بدلتی مگر روح حیوانی (جو پہلے سے بدن میں موجود ہے) اپنی قوت سے جو (حیات بخشی ہیں) مثل سلسبیل چشمۂ جنت کے ہے کہ اس کی حالت بدل دیتی ہے۔

قوتِ جان ست ایں اے راست خواں	تا چہ باشد قوت آں جانِ جان
تانست قوت تن ولیکن در نگر	تا کہ قوت جان چہ باشد اے پسر
گوشت پارہ آدمی از زور جان	مے شگافد کوہ را با بحر و کان
زورِ جانِ کوہ کن شق الحجر	زورِ جانِ جان در انشق القمر
گر کشاید دل سر انبان راز	جاں بسوئے عرش سازد ترکتاز
ور زباں گوید ز اسرار نہاں	آتش افروزد بسوزد ایں جہاں

ان اشعار میں رجوع ہے اس مطلب کی طرف جس کی تائید میں امثلہ مذکورہ لائے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ روٹی کا متجیل کر دینا) تو روح حیوانی کی قوت ہے سو جانِ جان (یعنی روح انسانی جو روح حیوانی کا بھی مغز اور اس سے افضل ہے اس) کی قوت کیا کچھ ہوگی (اس لئے عوام کے علوم و اعمال جب عارفین میں جاتے ہیں جن میں روح انسانی کے آثار زیادہ کامل ہوتے ہیں تو تعجب مت کرو اگر وہ علوم و اعمال وہاں جاکر دوسرا رنگ کمال کا پیدا کرلیں اس لئے کہا گیا ہے کہ اختیار جبر ایشاں دیگر ست۔ آگے روح حیوانی و روح انسانی کی قوت کے تفاوت کی توضیح کے لئے اس کی ایک وجہ بیان فرماتے ہیں کہ) بدن (جس کی حیات روح حیوانی سے ہے اس) کی غذا روٹی ہے لیکن غور کرو کہ روح انسانی کی غذا کیا ہوگی (یعنی وہ علوم و معارف ہیں جب دونوں کی غذاؤں میں تفاوت ہے اور غذا ہی سے قوت پیدا ہوتی ہے تو ضرور دونوں

کی قوت میں بھی تفاوت ہوگا پس روح حیوانی کا تصرف اپنی غذا میں ہوتا ہے کہ جماد سے روح کر دیتی ہے اور روح انسانی کا تصرف کمالات علمیہ و عملیہ میں ہوگا کہ ناقص سے کامل بنا دیتی ہے آگے بھی اسی تفاوت کی تائید و توضیح ہے کہ) آدمی جو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے روح حیوانی کے زور سے پہاڑ کو اور دریا و کان کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے (جیسے فرہاد کا قصہ مشہور ہے اور صنعتوں سے بھی ان چیزوں میں تصرف ہوا کرتا ہے کہ پہاڑ سے نہریں نکالی جاتی ہیں اسی کے اندر راہیں بنائی جاتی ہیں دریا سے موتی کان سے چاندی سونا نکالتے ہیں اور یہ سب تدابیر معاش بقاء روح حیوانی کے لئے ہیں گویا یہ اسی کے تصرفات ہیں) پس کوہ کن کی روح حیوانی کا زور یہ ہے کہ پتھر کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور جان جان یعنی روح انسانی کی قوت یہ ہے کہ قمر کو دو پارہ کر دیا (جیسا کہ احادیث میں حضور کا معجزہ شق قمر کا وارد ہے اور معجزہ سے غرض اصلی ہدایت خلق ہے جس کا حاصل افاضۂ علوم و اعمال ہے پس روح انسانی کا تصرف علوم و اعمال میں ثابت ہوگیا جب دوسروں کے علوم و اعمال میں یہ تصرف ہے تو اپنے علوم و اعمال میں زیادہ قوی ہوگا اس سے بھی تائید ہوئی سے اختیار جبرائیان دیگر ست کی اور نیز تصرف علویات میں خارج ہے قدرت روح حیوانی سے اس اعتبار سے بھی روح انسانی کا قوی فی التصرف ہونا ثابت ہوا آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ روح انسانی کے تصرفات خالی نہیں حالی ہیں سو) اگر کسی کا قلب انسان راز کا منہ کھول لے (یعنی ذوق و کشف سے اس پر مطلع ہو جائے) تو عروج عرش کی طرف عروج کرنے لگے (یعنی تصرفات کاملین کی حقیقت منکشف ہونے سے معرفت و بصیرت میں ترقی ہو) اور اگر زبان ان اسرار نہاں کو ظاہر کرنے لگے تو ضلالت کی، آگ سلگ کر فوراً اس عالم کو تباہ کر دے) کیونکہ سمجھ میں آئے نہیں اس لئے غلط فہمی سے گمراہی پھیل جائے اور وہ سبب فساد عالم کا ہو اس لئے زیادہ بیان نہیں کیا گیا اجمال پر اکتفا کیا گیا۔

احکام و مسائل

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ

"شب برات وغیرہ"۔ شب برات میں حدیث سے اسقدر ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔ اس سے آگے سب ایجاد ہے جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک جب شہید ہوا تھا آپ نے حلوا نوش فرمایا تھا یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں اس لئے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں (۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی ہے یہ ان کی فاتحہ ہے یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی شعبان میں نہیں ہوئی (۳) بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لئے کچھ پکایا یا نہیں ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا اور وہ یہاں ندارد ہے (۴) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شب برات سے پہلے کوئی مر جاوے جبتک اُس کے لئے فاتحہ شب برات نہ کیا جاوے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا یہ بھی محض تصنیف یاران اور بالکل لغو ہے بلکہ رواج ہے۔ کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مر جاوے تو کنبہ بھر میں پہلا تہوار نہیں ہوتا حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہنچتا ہے نہیں کہ شب برات تک اٹکا رہتا ہے (۵) حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدون اس کے سمجھتے ہیں

کہ شب برات ہی نہیں ہوئی اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہو جاتا ہے ۔ کہ اُس کو ہو کر
ضروری سمجھنے لگتے ہیں فساد عمل بھی ہو جاتا ہے ۔ فرائض و واجبات سے زیادہ اُس کا اہتمام
کرنے لگتے ہیں اور ان دونو کا معصیت ہونا فصل اوّل میں بالتشریح مذکور ہو چکا ہے ان خرابیوں
علاوہ تجربہ سے ایک خرابی ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہو جاتی ہے ثواب وغیرہ
کچھ مقصود نہیں رہتا ہے خیال ہو جاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب کے خستت یا
ناداری نے گھیر لیا ہے اس الزام کے رفع کرنے کے لئے جس طرح بن پڑتا ہے مر مٹکر کرتا ہے ایسی
نیت سے صرف کرنا محض اسراف و تفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ اس کے لئے قرض سودی لینا پڑتا ہے یہ جدا گناہ ہے (۶) جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو
کوئی بھی نہیں دیتا یا ادنیٰ درجہ کا بچا کر اُن کو دیا جاتا ہے اکثر اہل ثروت و برادری کے لوگوں کو
بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے
یہاں بھیجا ہے اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا غرض اس میں بھی وہی ریا و تفاخر ہو جاتا ہے
(۷) بعض لوگ اُس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں اس ایجاد کی وجہ آجتک معلوم نہیں
ہوئی لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ غیر موکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے یہ تو کھانے پکانے میں مفاسد
ایجاد کرتے ہیں اُن کے علاوہ آتشبازی کی رسم اس شب میں شائع ہے اُس کی منسبت باب
اوّل میں بیان ہو چکا ہے حاجت اعادہ نہیں تیسرے زیادتی اس میں یہ کیگئی ہے کہ بعض لوگ
شب بیداری کے لئے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں
ہر چند کہ اجتماع سے شب بیداری سہل ہو جاتی ہے مگر نفل عبادت کے لئے لوگوں کو ایسے
اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا یہ خود خلاف شریعت ہے جیسا اسی باب کی فصل اوّل میں بیان ہو چکا
ہو البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے اس کا مضائقہ نہیں (۸) بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا
بدلنا اور گھر لیپنا اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت کر لی ہے یہ بالکل
رسم کفار کی نقل ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے حدیث سے اس زمانہ میں تین امر ثابت
ہوئے ہیں اُن کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے اوّل پندرھویں شب
گورستان میں جا کر اموات کے لئے دعا و استغفار کرنا اور کچھ صدقہ و خیرات دے کر

اگر مردوں کو اُس کا ثواب بخشدیا جاوے تو وہی دُعا و استغفار اُس کے لئے اصل نکل سکتی ہے
کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے مگر اُس میں کسی بات کا پابند نہ ہو۔ اگر وقت پر
کچھ میسر ہو خفیہ کچھ دے دلادے باقی حدودِ شرعی سے تجاوز نہ کرے دوم اس شب میں بیدار
رہکر عبادت کرنا خواہ خلوت میں ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع کرنے کیلئے کوئی خاص
اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ سوم پندرھویں تاریخ کو روزہ نفل رکھنا ان عبادتوں کو مسنون طور پر ادا کرنا
نہایت احسن ہے اور عید الفطر میں سویاں پکانا فی نفسہ مباح ہے مگر لوگوں نے ان میں خرابیاں
پیدا کرلی ہیں (۱) اس کو ضروری سمجھتے ہیں سمجھتے کہ اگر سویاں نہ پکائی جاویں تو گویا عید ہی
نہیں ہوئی ایسے التزام و اہتمام کا خلاف شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے (۲) اس پابندی
کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہو تو قرض لیکر گو سودی ہی ملے
ضرور اُس کا اہتمام کرتے ہیں (۳) اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ
حضرت فاطمہؓ نے آٹا پکاکر مروڑیاں جمع کرکے سویاں پکائی تھیں۔ یہ محض تہمت ہے کہیں ثابت
نہیں (۴) اور دینے لینے میں ریاء و تفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے اکثر اعزہ و اقارب کے
بچوں کو شرم اتارنے کے لئے دیا جاتا ہے خواہ گنجایش ہو یا نہو پھر جانب ثانی سے
اُسی دن یا اگلی عید بقرعید کو نہایت ضروری سمجھکر اُس کا عوض ادا کیا جاتا ہے جو معصیت
نوتہ میں تھی وہی یہاں بھی ہے اور اسی طرح سویوں کا طاق جہاں اُس نے اُس کی بہو کو
اور اُس نے اُس کی بہو کو دیا دلایا جسکو تغیر ابدال کہا جاوے تو نہایت زیبا ہے اس دل لگی
میں جانبین پر پورا بار ہو گیا اس تاریخ میں حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ چند خرما نوش فرماکر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے
اگر رغبت و لذت کے لئے دودھ و سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو مباح ہے مگر
اُس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مفاسد مذکورہ لازم آویں کبھی کبھی ناغہ بھی کردیا کرے
گنجایش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ تردد میں نہ پڑے گنجایش کے وقت بھی
رسوم کا اتباع نہ کرے بے تکلفی سے جو ہو جاوے اس پر
بس کرے۔ (از اصلاح الرسوم ص ۱۱۳-۱۱۴)

بیان اشتراط عدالت ومعنے آں در شہادت رویت ہلال رمضان وعید

سوال (۱۴۶) ہلال عید ورمضان کی شہادت کے لئے شاہدوں میں عد
کیضرورت ہے یانہیں۔ اور عدل کی کیا تعریف ہے۔ یعنی رویت ہلال کے بارہ میں فاسق
یا مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یانہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار للصوم مع علة کغیم وغبار خبر عدل او مستور
علی ما صححه البزازی علی خلاف ظاهر الروایة لا فاسق اتفاقاً الی قوله وشرط
مع العلة والعدالة نصاب الشهادة الخ۔ وفی رد المختار العدالة ملکة تحمل ع
ملازمة التقوی والمروة والشرط ادناها وهو ترك الكبائر والاصرار على الصغا
وما یخل بالمروة ج ۲ ص ۱۲۵ ۔ اور یہ شروط خبر واحد میں ہے اور جمع عظیم مفید تواتر میں یہ شر
نہیں۔ (تتمہ ثالثہ ص ۹۲)

تحقیق اعتبار اختلاف مطالع ومراد حدیث ابن عباسؓ درآں باب

سوال (۱۴۷) رویت ہلال کے بارے میں کسقدر دور دراز کی خبر ایک شہر سے دوسرے
شہر میں مانی جاسکتی ہے۔ اس میں کچھ علماء کا اختلاف ہے یانہیں۔ اور مذہب حنفیہ میں
اس کی بابت مفتیٰ بہ قول کیا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب
وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى۔ بحر عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق
برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب الى قوله قال
الكمال الاخذ بظاهر الرواية احوط ج ۲ صفحہ ۱۵۴ و ۱۵۵ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفتیٰ
قول یہی ہے کہ یہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ ۲۵ رمضان ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ ص ۹۲)

معتبر بودن رویت ہلال از دوربین یا دوریا آئینہ وغیرہ

سوال (۱۵۰) شخصے در دوربین ماہ ہلال عید الفطر امسال تاریخ بست ونہم دیدہ است
آیا ایں رویت ہلال صحیح باشد یانہ۔

الجواب۔ دوربین محض آلہ تحدید بصر ست ورویت بصر واقع ست پس حکمش

مثل عینک باشد دریں دیدن رویت کہ مدار وجوب احکام ست صادق ست نہیں لہٰذا محالہ صحیح و معتبر و مناط احکام باشد البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بہ ثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین چنیں ست کہ ہلال باوجود تحتِ افق بودن بواسطہ آں بنظرمی آید حتی کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آں رویت صحیح و معتبر نباشد۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ صـــ ۱۶۰)

ایضاً **سوال (۱۵۱)** ذیل کے سوالات میں اپنی تحقیق از روئے کتب حدیث و فقہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں (۱) ۲۹ تاریخ کو دو سرے شخص کمزور بینائی والے سفر میں جارہے تھے جنگل میں مغرب کے وقت چشمہ یا خوردبین سے ان دونوں نے عیدالفطر کا چاند دیکھ لیا۔ لیکن بلا مدد چشمہ یا خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور سوائے ان دونوں کے اور لوگوں نے چاند نہیں دیکھا ایسے حال میں وہ دونوں دوسرے روز روزہ رکھیں گے یا عیدالفطر کی نماز پڑھیں گے۔ اور جن لوگوں نے نہیں دیکھا ان کے لئے کیا حکم ہے۔

(۲) دو شخص دریا میں جارہے ہیں ۲۹ رمضان کو پانی میں دونوں کو چاند کا عکس صاف نظر آیا۔ لیکن آسمان پر دیکھنے سے چاند نہیں معلوم ہوا خواہ نظر کی کمزوری سے خواہ اور کسی وجہ سے اور ان دو شخصوں کے سوا اور کوئی چاند دیکھنا بیان نہیں کرتا ہے ایسے وقت میں ان کے لئے اور دوسروں کیلئے کیا حکم ہے۔

(۳) دو شخص کسی جگہ پر ہیں ۲۹ رمضان المبارک کو آئینہ کے اندر دونوں کو چاند صاف معلوم ہوا لیکن آسمان پر دونوں نہیں دیکھ سکے۔ ایسی حالت میں وہ کیا کریں گے۔

الجواب۔ ۱ دوربین یا خوردبین سے دیکھنے کا کوئی جدا حکم نہیں بلا آلہ دیکھنے کے جو احکام ہیں وہی اس کے بھی ہیں پس اگر افق پر ابر و غبار ہے تب تو ان کی رویت بشرط عدم مانع اوروں کے لئے کافی ہے سب عمل کریں۔ اور اگر ابر وغیرہ نہیں ہے تو اوروں کو بھی عمل جائز نہیں اور خود ان کو بھی عمل جائز نہیں۔ بلکہ روزہ رکھیں ۲ دریا کو بھی مثل چشمہ وغیرہ کے رویت کا ایک آلہ کہا جاوے گا اور اس کا حکم بھی مثل جواب سوال ۱ کے ہوگا ۳ اسکو بھی مثل دریا کے ایک آلہ رویت کہیں گے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو ۱ میں مذکور ہوئی۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ صـــ ۶۶)